www.abdulhaq.info/books

(رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۶۹۳)

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

(اے محمدؐ) کہہ، یہ میرا رستہ ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ جو میری پیروی کرتے ہیں بصیرت پر قائم ہیں، اللہ تمام نقائص سے پاک ہے۔
اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

اُردو کا مذہبی، علمی، اخلاقی اور ادبی، ماہوار

رسالہ

بصیرت

مدیر، عبدالحق وِدیارتھی

نائب مدیر، محمد عصمت اللہ

قیمت سالانہ چار روپیہ چھ آنے، ششماہی اڑھائی روپیہ مع محصول ڈاک، نمونہ کا پرچہ چھ آنے

"بصیرت"

مدیر: عبدالحق ودیارتھی

نائب مدیر: محمد عصمت اللہ

فہرست مضامین

جلد (۱) نمبر (۲)

بابت ماہ مئی ۱۹۳۰ عیسوی

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	شذرات	ایڈیٹر	۲
۲	مذاہب عالم کو دعوت اتحاد	؍؍	۵
۳	دلچسپ ومفید معلومات	از رفعت حسین صدیقی	۱۴
۴	سکھ گوروصاجبان کے قاتل کون تھے.	مولانا مولوی محمد عصمت اللہ صاحب	۱۷
۵	تعمیر مسجد نبوی	از مولانا شبلی مرحوم	۳۲
۶	حضرت زید ابن حارثہ	از مولانا محمد عصمت اللہ صاحب	۳۳
۷	ہندو دھرم میں عورت کی حیثیت	ایڈیٹر	۳۴
۸	رباعی	جناب پنڈت ہری ہر صاحب اختر ایم-اے	۴۳
۹	کیمیاوی باورچی خانہ	ڈاکٹر قاسم علی	۴۴
۱۰	بصیرت (نظم)	شیخ رشید احمد شور فاروقی شاہ آباد	۴۹
۱۱	عورت ماں کی حیثیت میں	از مسز اینی بسنٹ	۵۰
۱۲	دین ودانش (نظم)	مولوی محمد عصمت اللہ صاحب	۵۲
۱۳	(۱) علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا انتقال (۲) ملک حمد خاں نصا کا انتقال	ایڈیٹر	۵۵
۱۴	آواز دل (نظم)	شیخ ظہیر الاسلام فاروقی بی اے (علیگ) شاہ آباد	۵۶
۱۵	نقد ونظر	ایڈیٹر	۵۶
۱۶	سام وید کا اردو ترجمہ	ایڈیٹر	۵۷

شذرات

ہندوستان کے افق صحافت پر آئے دن بیسیوں اخبار اور رسائل طلوع ہوتے رہتے ہیں بعض اپنی پیرانہ سالی کے باوجود نہایت آب وتاب کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ مگر اکثر چند ماہ تک نمودار ہو کر پھر گوشۂ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ ان سب کے عزائم اور مقاصد بالعموم مفید بلند اور نہایت دلآویز ہوتے ہیں۔ ہر ایک اخبار اور صحیفہ جب میدانِ صحافت میں اترتا ہے۔ تو کسی نہ کسی نئے اصول اور فن کا دعوے دار ہوتا ہے۔ مگر اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا ثبوت صرف اسکی عمر کی طوالت سے ہی دیا جاسکتا ہے۔ جس کا انحصار ایڈیٹر کی قابلیت اثر و رسوخ اور پبلک کے مذاق اور ذہنیت پر ہوتا ہے

ہمارے ملک میں چند سالوں کے اندر اخبارات اور صحائف نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس میں اخباریت کے لحاظ سے تو ہندو اخبار نویس بلاشبہ سب سے پیش پیش ہیں۔ اسلامی پریس اردو نوازی اور ادبی خدمت کے لحاظ سے نسبتاً آگے بڑھا ہوا ہے۔ پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں آج سے دس سال پیشتر ہندوؤں کے اخبار خال خال تھے۔ ان میں سے بھی اکثر کے ایڈیٹر مسلمان تھے۔ لیکن اس دس برس کے عرصہ میں ہندوؤں نے پریس پر قریباً قریباً قبضہ کر لیا ہے۔

برادران وطن دل سے اردو کے دشمن ہیں اور ان کی تمام تر ہمدردی ہندی کے ساتھ ہے۔ مگر اردو کی دیرینہ ہردلعزیزی اس کے رسم الخط میں حد درجہ کا اختصار اور ادبی دل آویزی ان سے مجبوراً اردو میں اخبار اور رسائل نکلوا رہی ہے تاہم ہندی زلف کی درازی اور پرورش کے لیے بھی ان کی جدوجہد کچھ کم نہیں ہے پنجاب میں ہندی اخبارات کا دائرہ تو بہت ہی تنگ ہے۔ البتہ یو۔ پی۔ بنگال مدراس اور صوبجات متوسط میں اس نے اردو کو شکست فاش دے دی ہے

ماہانہ رسائل اور صحائف پنجاب کے سوا باقی سارے ہندوستان میں اردو سے زیادہ ہندی میں شائع ہوتے ہیں بعض رسائل کی اشاعت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے اردو کے رسالہ کو بھی اس قدر اشاعت میسر نہیں ماہ دھوری سرسوتی وشال بھارت۔ ہندی چاند نہایت کامیاب اور مقبول رسائل ہیں گذشتہ دنوں ہمیں قریباً قریباً ایک ہفتہ تک الہ آباد میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ہندی کا لٹریچر اس کثرت سے دیکھنے میں آیا کہ جس کا ہمیں خیال بھی نہیں

تھا۔ مسلمانوں کی بیسیوں علمی کتابوں کا ترجمہ ہندی میں کر دیا گیا ہے۔ افسانہ نگاری میں بھی انھوں نے بہت ترقی کی ہے۔ مگر سب سے عجیب اور اس کے ساتھ ہی نہایت رنجیدہ بات جو ہمیں ہندی لٹریچر کے مطالعے سے معلوم ہوئی وہ یہ تھی۔ کہ ہندی زبان کے ادبی رسائل عصبیت قومی کے جوش سے بھرے ہوئے تھے۔ کوئی افسانہ نہ تھا کہ جس میں مسلمانوں کی عیب شماری اور مسلمان بادشاہوں کے فرضی مظالم کا تذکرہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ لوگ ایک ایک ہندو فرد کو مسلمانوں کے خون کا پیاسا بنانے میں مصروف ہیں۔ ادبی رسائل میں اس بس بھری ہوا کا بھرنا ان کی نگاہ میں خواہ کتنا ہی دلفریب کیوں نہ نظر آئے مگر ہندوستان کے امن و امان کے لئے یہ یقیناً تباہی اور بربادی کا باعث ہوگا۔

اس ملک میں مسلمانوں کے ادبی رسائل کہ جن کی زبان اردو ہے۔ ان کا بیشتر حصہ نوجوانوں کو عشق و محبت کی شراب پلانے میں مصروف ہے۔ چند ایک رسائل کہ جو اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی جذبات کی استواری یا نسوانی اور قومی اصلاح و تادیب کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں لیکن وہ لوگ کہ جو اپنی دکان پر کسی حسین نوواڑن کو بٹھا کر محض اپنی تجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ ان کو یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان کی اپنی دکان تو اس حیلہ سے رونق پکڑ سکتی ہے لیکن قوم اور ملک کے لئے وہ کوئی مفید کام نہیں کر رہے۔ بلکہ اس ادبی عیاشی سے جو نوجوان ہلاک ہوں گے۔ ان کا وبال ان کی گردن پر ہوگا۔ ایسے صحائف باز حضرات کو لارڈ منٹو کے اس مقولے سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ کہ "آنے والی نسلوں کی ترقی کے لئے یہ امر مہلک ہوگا۔ اگر اعلیٰ مذہبی اور اخلاقی قوانین کو جو قومی عمارت کی تعمیر کرنے والے ہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ اور لوگ محض مشاغل ادبی کی ظاہری دلکش دلچسپیوں میں محو ہو گئے"!

ہمارے قومی معاصر اگر ہندی رسائل کی تقلید کرتے ہوئے دو قوموں کو باہم ایک دوسرے کا دشمن بنا دینے کی روش کو نظر انداز کر کے نوجوانوں کو قوم کے بہترین افراد بنانے کی کوشش کریں اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کے جذبات ان کے اندر پیدا کریں تو مسلمانوں کی مشکلات کا خاتمہ بہت جلد مستقبل قریب میں ہو سکتا ہے۔ اور ملکی فضا بھی مسموم ہونے سے بچ جائے گی۔

بصیرت کے اجراء سے ہمارا مقصد کہ جس کا اعلان ہم اس کے پہلے نمبر کے صفحہ ۲ پر کر چکے ہیں صرف اسقدر ہے کہ اسلام جو انسانیت عالم کا آسمانی چارٹر ہے سطح ارض پر آسمانی بادشاہت فتنۂ اقوام اور فسادات مذاہب کا واحد طریق علاج

ہے۔ اس سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے۔ ہمارے اعتقاد اور یقین کی رو سے دنیا کے تمام ادیان اسی حقیقت کبرےٰ کی ایک بھولی بسری اور محرف شکل ہیں۔ مذاہب عالم کا مشترکہ اور گم شدہ خزانہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ قرآن مجید کا تعلق۔ وید۔ توریت۔ انجیل اور انبیائے عالم کے دوسرے صحائف کے ساتھ معاندانہ نہیں بلکہ مصدقانہ ہے۔ اس کی نگاہ میں ہندو اور مسلمان بلکہ دنیا کی تمام اقوام ایک ہی خدا کی مخلوق اور ایک ہی چشمہ ہدایت سے فیضیاب ہیں امتداد زمانہ اور بعض عیار مذہبی منادوں نے مذاہب میں مفارقت کی خلیج کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ اور دن بدن دونوں طرف سے زمین کو پاٹ کر افتراق کو وسعت دی جا رہی ہے۔ ہمارا کام ایسے دشمنان قوم اور مذہب کے برے ارادوں اور کوششوں کو طشت ازبام کر کے دونوں قوموں کو صلح اور سلامتی کی دعوت دیکر باہم محبت کے جذبات کو پیدا کرنا ہے۔ "بصیرت" کے دونوں نمبر الحمد للہ اپنے اس مقصد عظمےٰ پر کافی شہادت ہیں۔ سعی اور کوشش ہمارا فرض ہے۔ اور اس کا پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس رسالہ سے کسی مالی فایدہ کی توقع رکھنی محال ہے مدیران محض اعزازی طور پر خدمت کر رہے ہیں۔ البتہ ان کی دلی خواہش اور تڑپ یہ ضرور ہے کہ رسالہ کی عمر دراز ہو اور بہی خواہان قوم خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان دونوں اس کو غور سے پڑھیں اور اس کی برادری کا حلقہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ آمین

ریویو

رسالہ ظل السلطان جو بھوپال سے شائع ہوتا ہے۔ عورتوں کے لئے ایک نہایت عمدہ اور مفید رسالہ ہے۔ اصلاح نسواں اور تربیت اطفال کے متعلق موجودہ ضروریات زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مضامین شائع ہوتے ہیں

قیمت سالانہ تین روپے۔

مینجر رسالہ ظل السلطان بھوپال کے پتہ سے مل سکتا ہے۔

مذاہبِ عالم کو دعوتِ اتحاد

اسلام میں خدا کا تصوّر

(۲)

خدا کا ذاتی نام

غالباً ہر ایک لکھا پڑھا شخص جانتا ہے۔ کہ اسماء ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اسماء ذات (Proper Names) اور دوسرے اسماء صفات (Attributes) کہلاتے ہیں۔ صفات اکثر مشترک اور بکثرت ہوتی ہیں۔ اس لئے محض صفات کے بیان کرنے سے کسی شے کی بالکلیہ شناخت نہیں ہوتی۔ جب تک اس شے کا اسم ذات نہ بتا دیا جائے مثلاً ایک شخص کسی درخت کی نسبت بیان کرتا ہے۔ کہ وہ بہت بڑا ہے۔ اس کا سایہ بہت اچھا ہے۔ بعض لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں اس کا پھل جانور خوشی سے کھاتے ہیں۔ اس کے پتے پان کی شکل کے ہوتے ہیں۔ مگر ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ یہ شخص کس درخت کا ذکر کر رہا ہے درخت کی تمام کی تمام صفات جو اس نے بیان کی ہیں۔ ایک بجھارت اور معمہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو کسی شے کی صدہا صفات سن کر بھی ہمارا آخری سوال یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ کیا چیز ہے یا اس کا نام کیا ہے۔ کہ جس کی آپ اتنی خوبیاں بیان کر رہے ہیں۔ لیکن اگر متعدد صفات بیان کرنے کی بجائے صرف اس درخت کا نام بتا دیا جائے۔ کہ وہ پیپل کا درخت ہے۔ تو ہر شخص جس نے یہ درخت کبھی پہلے دیکھا ہوگا۔ فوراً اسے سمجھ لے گا۔ اور نام کے ساتھ ہی اس کی ساری صفات اس کے علم کے مطابق ذہن میں مستحضر ہو جائیں گی۔ بعینہٖ اسی طرح تمام مذاہب اس خدا کی صرف ایک ایک صفت کو اسکا اعلیٰ نام قرار دے رہے ہیں۔ ہم ان سے یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ تمام صفات جو آپ لوگ بیان کر رہے ہیں۔ بہت اچھی اور نہایت اعلیٰ اور خدا کی شان کے شایاں ہیں مگر ہم ان اعلیٰ صفات کے رکھنے والی ہستی کا نام پوچھتے ہیں کہ کیا ہے۔ اور وہ ذاتی نام وہی ہونا چاہئے۔ جو ان تمام صفات پر حاوی یا ان کے قائمقام ہو۔ خدا کا تصور کامل نہیں کہلا سکتا جب تک کل صفات کو اپنے اندر جمع کرنے والا اس کا کوئی اسم ذات نہ ہو کیونکہ کوئی ایک خاص صفت

یا صفاتی نام دوسری تمام صفات کا موصوف نہیں کہلا سکتا۔ پس اس ذات کے نام وہ نام کہ جو مختلف مذاہب اور اقوام میں مروج ہیں، اسم ذات یا مستجمع جمیع صفات کاملہ کا مفہوم پیدا نہیں کر سکتے

خدا کا ذاتی نام ایک ہی ہو سکتا ہے

اگر کل قوموں اور ملکوں کا خدا ایک ہی ہے تو اس کا تصور بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے اس کا ذاتی نام کہ جو فی الحقیقت اس کے تصور کا نقطہ مرکزی ہے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر خدا کا یہ تصور کہ وہ مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے معقول اور درست ہے تو پھر اس کا ذاتی نام بھی وہی ہو سکتا ہے کہ جو اس تصور کو ہمارے اندر پیدا کر سکے۔ اور اس کا یہ نام باقی تمام صفات پر ترجیح پائے گا۔ اور وہ کل دنیا کی قوموں اور مذاہب کا مشترک نام ہو گا۔ یا تمام اقوام اور مذاہب عالم کے تصور ذات باری میں رشتہ اتحاد اور حبل متین کا کام دے گا۔ ہمارا دعوے ہے کہ ایسا کوئی لفظ عربی زبان کے سوا دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں کہ جس کے معنی مستجمع جمیع صفات کاملہ ہوں۔ خواہ وہ زبان سنسکرت ہو۔ یا انگریزی ہو یا کوئی قدیم سے قدیم زبان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں اصول یہ ہے کہ جب کسی مضمون یا عبارت کا ترجمہ [illegible] ایک زبان سے دوسری زبان میں کیا جاتا ہے تو ہمیشہ اسماء ذات (Proper Names) کا ترجمہ نہیں کیا جاتا اور باقی تمام عبارت اور صفات کا ترجمہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً جب کبھی آپ کسی شخص کے متعلق کوئی مضمون انگریزی عربی فارسی یا سنسکرت زبان میں لکھیں، تو آپ اس شخص کے نام کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں کریں گے۔ ورنہ مضمون بے معنی اور مہمل ہو جائے گا۔ اسی طرح خدا جو تمام دنیا کی اقوام اور مذاہب میں ایک معروف ہستی ہے۔ اور تمام الہامی مذاہب اسی خدائے واحد کی طرف سے ہیں اس کے ذاتی نام کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیسے ہو سکتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی ذہن نے بتدریج ارتقا کی منازل کو طے کیا ہے اس لئے اس کا تصور ذات باری بھی زیادہ شائستہ اور مکمل ہوتا گیا ہے۔ تاہم جس طرح خدا کی ذات ہمیشہ سے ہمہ صفت موصوف موجود تھی۔ اسی طرح اس کا ذاتی نام بھی کہ جو اس تصور کو ظاہر کرتا ہے، موجود تھا۔ اگرچہ انسانی ذہن میں نہ تصور ذات باری کامل تھا اور نہ اس کے نام کا صحیح مفہوم ہی ذہن نشین تھا۔

خدا کے اسم ذات کے لئے چند ایک ضروری شرائط

قرآن کریم کے جملہ الحمد للہ میں یہ بھی ایک خوبی ہے کہ اسم اللہ کو تمام قسم کی حمد (خوبی) اور تعریف کا موصوف اور مستحق ٹھہرایا

لہ فی الحقیقت یہ [illegible] ہمارا اپنا دعوے نہیں قرآن [illegible] فرمایا: هل تعلم له سميا۔ اے مخاطب کیا تو اس نام کے مقابل کوئی اور نام بھی جانتا ہے کہ جو معنوی خوبیوں کے لحاظ سے اس کے برابر ہو سکے۔ یا خدا کے تصور کا ایسا اعلیٰ مفہوم پیدا کر سکے۔

گیا ہے۔ اور سارے قرآن کریم میں اسی اسلوب بیان کو ملحوظ رکھا گیا ہے کسی ایک جگہ بھی اس نام کو کسی دوسرے موصوف کی صفت نہیں قرار دیا گیا بعینہ جس طرح کوئی شخص پیپل کے نام کو اس کی کسی دوسری صفت کی صفت نہیں قرار دے سکتا۔ اسی طرح خدا کے اسم ذات کو بھی تمام صفات کا موصوف ہونا چاہئے۔ جو شخص اپنی مذہبی کتاب میں سے کوئی اور لفظ اس ذات کے لئے بطور اسم ذات پیش کرے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس کتاب میں سے یہ بھی ثابت کرے کہ وہ نام ہمیشہ ہمیشہ اس کی کتاب میں باقی تمام صفات کے موصوف کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اور کسی دوسرے صفاتی نام کی صفت واقع نہیں ہوا کیونکہ صفات تو ہمیشہ ذات کی تابع ہوتی ہیں مگر ذات کسی ایک صفت کے نیچے نہیں لائی جا سکتی۔

۲۔ عربی زبان میں لفظ اللہ کبھی کسی غیر معبود یا کسی اور شے کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ لسان العرب میں لکھا ہے۔

اسمٌ مختص للّٰہ لا یجوز ان یسمی بہ غیرہٗ یہ اسم اللہ ذات باری کے لئے خاص ہے۔ اس لئے یہ جائز نہیں کہ کسی اور شے کا نام اللہ رکھا جائے۔ پس اس بنا پر اسم ذات باری تعالیٰ کے لئے یہ بھی ایک ضروری شرط ہے کہ اس کا اطلاق کسی دوسری چیز پر نہ ہو سکے۔ تاکہ توحید الٰہی میں شبہ وارد نہ ہو سکے۔

۳۔ دنیا میں اگر فی الواقعہ کوئی چیز اپنی صفات کے لحاظ سے احد اور لاشریک ہو تو اس کے نام کا کوئی مصدر دھاتو یا مادہ (ROOT) نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ مصدر یا مادہ سے ہمیشہ الفاظ کی برادری پیدا ہوتی ہے۔ اور اس برادری کے تمام افراد آپس میں ایک گونہ اشتراک معنوی رکھا کرتے ہیں۔ مگر خدا چونکہ رشتے اور برادریوں سے پاک ہے اس کے نام کا بھی کوئی مصدر یا مادہ نہیں ہونا چاہئے تاکہ اس کی ہستی شرک کے ہر قسم کے شائبہ سے پاک رہے۔ عربی زبان میں لفظ اللہ کا کوئی مادہ اور مصدر نہیں۔ جو صاحب اس نام کے مقابل اس ذات کا کوئی اور اسم ذات پیش کریں۔ تو یہ خوبی بھی انکو اس نام میں ثابت کرنی پڑے گی۔

پنڈت رام چندر دہلوی کے اعتراض کا جواب

بعض حضرات اس دلیل پر یہ اعتراض کریں گے کہ جب لفظ اللہ کا کوئی ماخذ یا مادہ نہیں ہے تو کس طرح معلوم ہوا کہ اس لفظ کے معنی مستجمع جمیع صفات کاملہ ہیں کیونکہ الفاظ ہمیشہ مصدری معانی کی بنا پر اپنا مفہوم ظاہر کرتے ہیں میرے دوست پنڈت رامچندر دہلوی نے دوران مناظرہ میں اس پر یہی اعتراض کیا کہ جب لفظ اللہ کا کوئی مادہ نہیں تو اللہ کے معنی ہی کیوں مستجمع جمیع صفات کاملہ ہیں۔ بلا اور کلا کیوں نہیں۔ ان لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ کسی زبان میں بھی ابتداً اسما مصادر سے نہیں بنائے گئے۔ اور نہ دنیا میں کوئی ایسا زمانہ گذرا ہے کہ جب لوگ صرف مصادر اور مادوں کو استعمال کرتے تھے۔ اور پھر ان سے اسماء اور افعال بنائے گئے ہوں۔ ہمارے آریہ دوستوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ وید

ہی وہ کتاب ہے۔ جو نسل انسانی کو سب سے پہلے دن دی گئی اور لوگوں نے نہ صرف مختلف زبانیں بلکہ سنسکرت زبان بھی ان ہی ویدوں سے سیکھی۔ اس سے پہلے لوگوں کی کوئی زبان نہ تھی۔ اگرچہ یہ ایک نامعقول خیال ہے۔ کیونکہ زبان جاننے کے بغیر ویدوں کا سمجھنا کیسے ممکن تھا۔ تاہم پنڈت رام چندر کی اس بودی دلیل کو کہ جس پرماتما نے گونگے کو زبان دی اسی پرماتما نے ان کو زبان نہ جاننے کے باوجود وید سمجھا دیئے۔ ہم تسلیم کئے لیتے ہیں اور ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ویدوں میں مصادر اور مادے ہی ہیں یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں بلکہ اسما اور افعال استعمال ہوئے ہیں اور اس سے پیشتر تو آپ کے خیال میں زبان کا وجود ہی نہیں تھا۔ تو افعال کس زمانہ میں مصادر اور مادوں سے بنائے گئے۔ اسمار اور افعال کے مادے اور مصدر بتانے والا پانینی منی تو ہزاروں سال بعد میں ہوا۔ علم الالسنہ سے یہ ثابت ہے۔ کہ ہر ایک زبان کی طبعی ترتیب یوں ہے۔ کہ پہلے اسمار ہوتے ہیں پھر ان سے افعال بنتے ہیں اور ایک عرصہ دراز کے بعد جب قواعد زبان کی تدوین ہوتی ہے۔ تو چند ایک ہم شکل اسمار اور افعال سے ایک قدر مشترک نکال کر ان کا مادہ یا مصدر قرار دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اسما اور افعال کے مصادر اور مادوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور بعض افعال اور اسمار ایسے بھی ہیں۔ جن کے متعلق ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا کہ ان کا مادہ کیا ہے۔ علمار سنسکرت بھی اس میں شامل ہیں جن اسمار اور افعال کے مادے اور مصادر معلوم نہیں ہو سکے۔ اہل زبان ان کو استعمال کرتے ہیں اور ان کے معانی کے لئے اہل زبان ہی سند سمجھے جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کا انکشاف وعلم آدم الاسماء کلھا میں کیا ہے۔ کہ آدم کو پہلے اسما ہی سکھائے گئے اور نسل انسانی کا ہر ایک بچہ پہلے اپنی زبان کے اسما ہی سیکھتا ہے۔ افعال کا مرتبہ بعد میں آتا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے آریہ دوست بھی اپنے بچوں کو پہلے مصادر اور مادے نہیں سکھلاتے۔ بابا۔ چاچا۔ تاتا۔ دودو وغیرہ اسمار ہی سکھاتے ہیں۔ اور پھر آہستہ آہستہ افعال سکھاتے ہیں دھاتو اور مصادر تو شاید گوروکل میں پڑھے بغیر کوئی سیکھتا بھی نہیں۔

پس الفاظ کے معانی کی صحت کا معیار ان کے دھاتو اور مصادر نہیں بلکہ اہل زبان کا استعمال ہے۔ ورنہ ہم پوچھتے ہیں کہ مصادر اور مادوں کے معانی کی صحت کا معیار کیا ہے۔ آپ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکتے کہ اہل زبان کا استعمال

پنڈت رامچندر دہلوی سے شملہ میں ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ

۱۔ اوم کے معنے حفاظت کرنے والا کیوں ہیں؟

۲۔ تھوم[1] کے معنی حفاظت کرنے والا کیوں نہیں[2]؟

---

[1] یہ توم (دلہن) کا پنجابی تلفظ ہے۔ [2] یہ پلاّ اور کلاّ کا ترکی بہ ترکی جواب تھا۔

آپ اس کا جواب یہ دیں گے۔ کہ چونکہ اوم کا مصدر اَو ہے کہ جس کے معنی حفاظت کرنا ہیں۔ لہذا اوم کے معنی حفاظت کرنے والا ہیں پوچھتا ہوں اَو کے معنی حفاظت کرنا کیوں ہیں؟ آپ اس کے سوا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ اہل زبان اس کو اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ورنہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ھوم کے معنے حفاظت کرنے والا ہیں۔ اور اس کا مصدر ٹھو ہے۔ اور آپ ازروئے قواعدِ زبان اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ آپ کہہ دیں کہ سنسکرت لغت یا زبان اس کی شہادت نہیں دیتی۔ پس الفاظ کے معانی کے لئے اصل معیار اہل زبان کا استعمال ہے نہ اور کچھ۔ البتہ عربی زبان میں جو الفاظ کا فلسفہ ہے۔ اس کو ہم کسی اور موقعہ پر بیان کریں گے۔ پس لفظ اللہ کے معنوں کے لئے سند لغت عرب اور اہل زبان کی شہادت ہے کہ جو اس کے معنی مستجمع جمیع صفات کاملہ بتاتی ہے۔ اور یہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ خدا کی کوئی برادری نہیں اس لئے اس کے نام کی بھی برادری نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ اسماء ہمیشہ مسمیات کے باہمی تعلقات اور رشتوں کے لحاظ سے اپنے مادہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ خدا کی برادری نہ ہونے سے عربی زبان میں اس کے نام کی بھی کوئی برادری نہیں۔ اس لئے اس کے مادہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہونی چاہئے۔

اسم ذاتِ باری معلوم کرنے کا ایک اور معیار

جو صاحب اپنی کتاب یا مذہبی زبان میں سے اس ذات کا کوئی نام پیش کریں۔ ان کو یہ بھی لازم ہے۔ کہ وہ کوئی ایسا نام پیش کریں کہ اس لفظ کا تثنیہ اور جمع کا صیغہ اس کتاب یا زبان میں نہ ہو تاکہ بہت سے خدا ہونے کا شبہ نہ ہو کیونکہ اگر اس کے ذاتی نام کا تثنیہ اور جمع بھی استعمال میں آتے ہوں تو خدا کے ایک ہونے کی کوئی دلیل اس کتاب کے اندر نہ ہوگی اسی طرح اس نام کی تانیث بھی نہیں ہونی چاہئے۔ تاکہ مذکر اور مونث (دیوتا اور دیوی) دو خدا سمجھے جانے کا دھوکا نہ ہو۔ جیسا کہ بعض مذاہب اسی غلطی سے میاں بیوی دو خدا مان بیٹھے۔

اسمِ ذات اللہ کے سوا جتنے بھی نام اس ذات کے غیر مذاہب کی کتابوں سے ہم نے گذشتہ صفحات میں گنوائے ہیں۔ وہ اسمِ ذات اس لئے نہیں ہو سکتے۔ کہ

۱۔ بعض نام مرکب ہیں اور مفرد الفاظ سے مل کر بنے ہوئے ہیں۔

۲۔ خدا اور غیر خدا دونوں پر ان اسماء کا اطلاق ہوتا ہے۔

۳۔ وہ ایسے صفاتی نام ہیں۔ جو ایک ایک صفت کو ظاہر کرتے ہیں۔ تمام صفات باری پر حاوی نہیں ہیں

۴۔ الہامی کتابوں میں ان اسما کو باقی تمام صفات کا موصوف نہیں ٹھہرایا گیا۔

۵۔ ان کا ترجمہ دوسری زبانوں کے ایک ایک لفظ میں ہو سکتا ہے۔

۶۔ ان کے مادے اور مصادر ان کی زبانوں میں موجود ہیں کہ جن سے خدا کے نام کی برادری پیدا ہوتی ہے۔

۷۔ ان کا تثنیہ، جمع اور تانیث ان زبانوں کے اندر موجود ہے۔ کہ جس سے کثرت آلہ کا شبہ ہو سکتا ہے۔

اسمِ ذات اللہ ان تمام نقائص سے پاک ہے۔

پنڈت رامچندر دہلوی کا ایک اور اعتراض

قرآن کریم سے پیشتر بھی یہ لفظ موجود تھا یا نہیں اگر موجود تھا تو پھر یہ اسلام کی کوئی مخصوص خوبی نہیں، اور اگر نہیں تھا تو خدا نے دوسری قوموں کو اس اسمِ اعظم سے کیوں محروم رکھا کہ جو اس کے تعصب پر دلالت کرتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ نام اسلام سے پیشتر بھی موجود تھا۔ بلکہ دنیا کے تمام عظیم الشان مذاہب کو یہی نام اس ذات کا بتایا گیا تھا۔ لیکن قرآن اور عربی زبان اس لفظ کے لئے کسی غیر قوم کی شرمندہ احسان نہیں عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے اس کو ہم ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں اور اس موضوع پر خواجہ کمال الدین صاحب کی کتاب ام الالسنہ ایک بہترین کتاب ہے۔ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اس پر کچھ لکھیں گے۔ یہ ہمارا عقیدہ اور یقین ہے۔ کہ دنیا کی تمام زبانیں عربی سے نکلی ہیں۔ اور عربی یقیناً الہامی زبان ہے۔ پس لفظ اللہ خود خداوند عالم کا الہام کردہ نام ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں یہی نام پایا جاتا رہا ہے لیکن امتداد زمانہ اور لوگوں کی اپنی ضلالت آفریں عادات و حرکات سے آہستہ آہستہ یہ لفظ طاق نسیاں ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں لوگ اپنے مذہب کو غیر اقوام سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ بلکہ اپنی قوم میں بھی ایک خاص خاندان کو امامت یا پروہتائی کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ وہی لوگوں کو مذہبی کتب پڑھ کر سنانے کا اختیار رکھتا تھا۔ ہندوستان میں برہمن اور بنی اسرائیل میں حضرت ہارون کا خاندان اس کے لئے مقرر چلے آتے تھے یہ لوگ جو چاہتے تھے۔ لوگوں کو سناتے تھے۔ دوسرے لوگ ان سے پڑھ کر بھی اور لوگوں کو پڑھانے کے مجاز نہ تھے۔ ہندوستان میں شودر دین کا علم حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ کشتری اور دیش پڑھ سکتے تھے۔ مگر کسی کو پڑھا نہیں سکتے تھے۔ پڑھانے کا حق صرف برہمن کو حاصل تھا۔ مذہب کی اعلیٰ درجہ کی باتیں عموماً پردہ راز میں رکھی جاتی تھیں۔ شودر کے کان میں وید منتر پڑ جانے سے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈالدیا جاتا تھا۔ وید منتر شودر کی زبان پر جاری ہو جاتا تو اس کو کاٹ دیا جاتا اور اگر اس کے دل میں یاد ہو جاتا تو اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ [۱]

بنی اسرائیل میں خدا کا نام لینے کی سزا سنگساری تھی

دوسری طرف یہود کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی خدا کا نام لینا بے ادبی خیال کرتے تھے۔ اور یہ امر مشرقی تہذیب

---

[۱] دیکھو ویدانت شاستر ۳۸ ادھیائے ۱ پر شنکر، رامانج، مادھو وغیرہ کی شرح اور گوتم سمرتی ادھیائے ۱۲ اشلوک ۱۔

کا مطالعہ کرنے والوں کو کوئی اچنبا معلوم نہیں ہوگا۔ یہاں ہمارے ملک میں رواج ہے کہ عورت اپنے شوہر کا نام لینا سوء ادبی سمجھتی ہے۔ مرید اپنے پیر کا نام لینا گستاخی سمجھتے ہیں۔ یہود میں خدا کا نام نہ لینے کے خیال نے تو یہاں تک زور پکڑا تھا کہ انہوں نے خروج ۲۰/۷ اور استثنا ۵/۱۱ کی غلط تعبیر کرتے ہوئے خدا کا نام لینا قابل مواخذہ قرار دیا۔ چنانچہ احبار ۲۴/۱۵ کی تفسیر میں لکھا ہے:-

gosephus who as a priest knew the pronunciation of name declare that religion forbids him to divulge it, Philo calls it ineffable, and says that it is lawful for those only whose ears and tongues are purified by wisdom to hear & utter it in a holy place (that is for priests in the temple. If any one I do not say should balspheme against the Lord of men & Gods but should dare to utter his name unreasonably let him expect the penalty of death (gosephus) Philovitamosis ([illegible], [illegible])

اس فتوے کی بنا پر جو شخص بیت المقدس کے باہر خدا کا نام لیتا تھا وہ گردن زدنی اور کشتنی سمجھا جاتا تھا کیونکہ کتاب استثنا ۱۲/۱۱ اور سلاطین اول باب ۸ آیات ۱۶ و ۲۹ اور ۴۴ وغیرہ وغیرہ کی بنا پر خدا کا نام صرف مقدس کاہن سے مقام ہیکل میں اور مقدس دن لیا جانا چاہیے تھا۔ ہیکل کے باہر عام لوگ خدا کے مقدس نام کی بجائے ادونی کہا کرتے تھے۔ خانیہ بن ترادن نامی ایک شخص کو اس بنا پر سزا دی گئی کہ اس نے ہیکل سے باہر اپنے شاگردوں کو خدا کا نام سکھا دیا تھا۔ خدا کا مقدس نام سکھا دینے پر کسی شخص کو سزا دینا یہ انتہا درجہ کی وحشت اور کمی عقل کا ثبوت ہے لیکن اس کو کیا کیجیے کہ ایک طرف ہندوستان میں اگر برہمنوں کی ذہنیت یہ تھی کہ وہ اپنے مذہب کی اعلیٰ تعلیم کو غیر اقوام میں پھیلانا کفر سمجھتے تھے اور ویدوں کی آیات کا نام منتر رکھتے تھے کہ جس کے معنی گپت بھاشن یعنی خفیہ کلام کے ہیں۔ اس لئے کہ اس کو بلند آواز سے نہیں بلکہ خفیہ ایک دوسرے کے کان میں کہتے تھے۔ تو دوسری طرف یہود کی وہ حالت تھی کہ جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کا اسم اعظم ان قوموں سے گم ہو گیا کیونکہ وہ اسکی انتہائی عظمت کی وجہ سے اس کو بہت ہی خفیہ

کہتے تھے۔ یہود نے خداوند الوہ کا اصلی تلفظ اللہ بھلا دیا۔ اور اس کی جگہ "یہووہ" یعنی "وہ جو ہے" بطور اسم اشارہ ان میں رواج پا گیا۔ پس یہووہ (یاہو) کا اشارہ دراصل اس نام کی طرف ہے کہ جو رفتہ رفتہ ان سے گم ہو گیا۔ اور اس امر کی شہادت جیوش سائیکلو پیڈیا اور سائیکلو پیڈیا ببلیکا سے ملتی ہے۔ کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ محفوظ نہیں رہا۔ اور تورات مقدس سے یہ بھی ثابت ہے۔ کہ خدا کا نام یہووہ قدیم نام نہیں بلکہ اس میں لکھا ہے۔ کہ "ابراہیم اسحٰق اور یعقوب مجھے اشدائی کے نام سے جانتے تھے۔ اور یہووہ کے نام سے واقف نہ تھے۔" (خروج ۶/۳)

یہود نے اللہ کا الوہ بنا لیا

تورات میں خداوند عالم کا نام ایلوہیم کہ جو اس کی پہلی آیت براشیت برا ایلوہیم میں موجود ہے۔ ایلوہیم کا واحد الوہ ہے۔ یہود کے بعض فرقوں کے نزدیک ایلوہیم خدا کا اعلیٰ نام تھا۔ اور بعض کے نزدیک یہووہ لیکن تورات کی مذکورہ بالا دو شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے۔ کہ ایلوہیم یہووہ پر مقدم ہے۔ نیز قدیم زمانہ میں تورات کے دو قسم کے نسخے تھے جن کو آج کل کی اصطلاح میں جے اور ای کے نسخے کہتے ہیں۔ جو جہودی اور ایلوہیمی کے مخفف ہیں۔ جہودی نسخہ والے خداوند کے یہووہ نام کو ترجیح دیتے تھے۔ اور ایلوہیمی والے ایلوہیم کو مقدس سمجھتے تھے۔ تورات کے اس موجودہ نسخہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتاب پیدائش کے باب اول میں اور دوسرے باب کی شروع کی آیات تک ۳۵ مرتبہ خدا کا نام ایلوہیم آیا ہے۔ اور ایک دفعہ بھی یہووہ استعمال نہیں ہوا۔ بہر حال دلائل اور بائیبل کی شہادت کی رو سے ایلوہیم یہووہ سے زیادہ قدیم ہے۔ اور یہی پہلا اور اصلی اسم باری تعالیٰ تورات سے معلوم ہوتا ہے۔ اب ہم اس امر کی تحقیقات کرتے ہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ کہاں سے آیا اور اس کی اصل کیا ہے۔ جیوش سائیکلو پیڈیا۔ اور سائیکلو پیڈیا ببلیکا دونوں اس امر پر متفق ہیں۔ کہ لفظ ایلوہیم کی واحد الوہ ہے۔ خود لفظ ایلوہیم بظاہر جمع کی شکل ہے۔ لیکن اس کا استعمال واحد کے لئے بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ باوجود یم جمع کی علامت کے اس کا فعل اور صفت واحد آتی ہے۔ پس اس لحاظ سے جیوش سائیکلو پیڈیا کی رائے جس کا حوالہ ہم گزشتہ صفحات میں دے چکے ہیں بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ کہ اس کے ساتھ یم کی علامت محض تعظیم اور اعلیٰ فضیلت کی وجہ سے ہے نہ حقیقتاً اظہار تکثر کے لئے کیونکہ یہود ذات باری میں کثرت کے ہرگز قائل نہیں۔ سائیکلو پیڈیا مذکور کے فاضل مضمون نویس نے کیا ہی سچ کہا ہے کہ :۔

In the great majority of cases both (Singular and plural) are used as names of the one God of Isreal. (Names of God)

دیکھو کتاب مذکور زیر عنوان اسماء الٰہیہ

اس لفظ الوہ اور ایلوہیم کے ماخذ اور مصدر پر بحث کرتے ہوئے یہی فاضل لکھتا ہے۔

The most probable theory is that it may be connected with the old Arabic word alih.

یعنی نہایت غالب رائے یہ ہے کہ یہ لفظ ایلوہیم اور الوہ قدیم عربی زبان کے آلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عربی فنشین، سیرین وغیرہ تمام زبانوں میں خدا کا نام ہے۔

اس لفظی تحقیقات سے یہ امر ظاہر ہے۔ کہ ایلوہیم یا الوہ عربی سے عبرانی اور تمام سامی زبانوں میں گیا ہے۔ کہ جو لفظ اللہ کی ایک بھولی بسری شکل ہے۔ اور یہی خداوند عالم کا حقیقی و اصلی نام تھا۔ جس کو اسلام نے آکر دوبارہ یاد دلایا۔

ویدوں میں لفظ اللہ کی تلاش

جس طرح سے یہ لفظ تمام سامی زبانوں میں خدا کا نام تھا۔ جیسا کہ سائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے ثابت ہو چکا ہے اسی طرح یقیناً آرین اقوام کو بھی خدا کا یہی نام بتایا گیا تھا لیکن افسوس ہے کہ آج انہوں نے بھی اس اسم اعظم کو بھلا دیا اور متعدد دوسرے نام خدا کے تجویز کر لئے واچسپتی لغت جو سنسکرت زبان کی بہت ہی پرانی اور ضخیم لغت ہے۔ اس میں یہ لفظ موجود ہے۔ اور اس کے معنی خدا کے لکھے ہیں۔ گو یہ لفظ موجودہ ویدوں میں بایں لفظ موجود نہیں مگر ایک عجیب بات جو اس پرانی لغت سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں اتھروید کا ایک سوکت (باب) اللہ سوکت کہلاتا تھا۔ گو آج موجودہ اتھروید میں یہ سوکت نہیں ملتا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ برہمنوں نے اللہ اپنشد اور اللہ سوکت مسلمانوں سے محض دشمنی کی وجہ سے اتھروید میں سے نکال دیا۔ نیز شبد کلپدرم مولفہ راجا رادھا کانت میں بھی زیر لفظ اللہ لکھا ہے۔ کہ اللہ سوکت اتھروید کا سوکت (باب) ہے۔ رگوید میں ایک سوکت کا (کون) سوکت (باب) کہلاتا ہے۔ اور اس کا کو دیوتا ٹھہرایا گیا ہے۔ اور اس کی نہایت معقول تعریف اور تعظیم کی گئی ہے۔ کا اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے ایک عجیب دیوتا ہے بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ لفظ کون کس طرح دیوتا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل اسم ذات اللہ کو بھول کر "وہ" "وہ" اشارہ کرنے لگے۔ اسی طرح آریہ بھی اس کا نام نہ لیتے ہوئے یا اس کو بھول جانے کی وجہ سے "کا" "کا" یعنی کون کون (دیوتا) کہنے لگے یعنی اصل نام تو بھول گئے اور "کا"[1] (کون) کو دیوتا یا خدا بنا لیا۔ اس پر مجھے بائبل کی ایک

[1] برہمن گرنتھوں میں اس کا کے متعلق لکھا ہے۔ کہ مخلوق کے مالک نے کہا کہ میں کون ہوں اس لئے اس کا نام ہی کا یعنی کون ہو گیا ایتریا برہمن ۳/۲۱ اور شتپتھ برہمن کانڈ ۱۱ پرپاٹھک ۵ برہمن ۴ کنڈکا ۱ وغیرہ

مثال یاد آگئی۔ بنی اسرائیل پر جب من و سلوے کا نزول ہوا تو من کو دیکھ کر وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے لگے مَن مَن (یہ کیا ہے یہ کیا ہے[1]) جب کچھ پتہ نہ چلا تو اس کا نام ہی من ہو گیا۔ اسی طرح ہندو لٹریچر میں لفظ کا سے خدا کے خفیہ نام کی طرف اشارہ سمجھا جاتا ہے۔ ان حوالجات سے یہ ظاہر ہے کہ ویدوالے بھی اس ذات کے اصلی نام کو بھول کر کا کا (کون۔ کون) کرتے ہیں۔ اور وہ نام اتھروید میں کبھی بعینہ موجود تھا۔ غرض خداوند عالم کا وہ اسم اعظم جو لفظ یہوہ کا مشارٌ الیہ اور وید کے کا (کون) کا جواب ہے۔ قرآن کریم نے اس کا نام اللہ بتا کر اقوام عالم کی گمشدہ دولت کو چھپا کر دیا۔ اور اس کو تمام اہل کتاب اور اہل مذاہب کا ایک ہی معبود ٹھہرا کر اتحاد کی یوں دعوت دی۔ قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل کتاب سے کہہ دو کہ اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

دلچسپ و مفید معلومات

جوانی کا واپسی ٹکٹ کسی شاعر کا مقولہ ہے۔ سہ جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی۔ مگر یہ خیال جدید سائنٹیفک تحقیقات نے برعکس ثابت کر دیا کہ گئی ہوئی جوانی پھر واپس آسکتی ہے۔ بہت ہی قلیل عرصہ گذرا ہے جب یہ تجربہ کیا گیا تھا۔ کہ بندروں کے غدود نکال کر بڈھے آدمیوں کے خراب شدہ غدودوں کے بجائے لگائے جن کے اثر سے ان میں ایک جوانی کی لہر پھر دوڑ گئی۔ اس طریقہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں لیکن اب ڈاکٹر کیسمیر فنک نے اس کو بہت آسان کر دیا اس نے ایک دوا تیار کی ہے۔ جس کے ٹیکہ سے انسان از سر نو جوان ہو جاتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بہت جلد اس دوا کی گولیاں بنا دے گا۔ اور پھر اس کے استعمال میں ٹیکہ کی بھی قباحت دور ہو جائے گی یہ دوا ہارمونس (Harmones) سے بنائی جاتی ہے۔ ہارمونس بہت ہی چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں جو کہ خون میں شامل ہیں اور ان کا کام غدودوں کو طاقت پہنچانا ہے انہیں ہی کی وجہ سے غدود بھی اپنا فعل انجام دیتے رہتے ہیں۔ مگر کبر سنی میں ان کی مقدار میں بہت کمی آجاتی ہے۔ لہٰذا غدود بھی اپنا کام نہیں کر سکتے لیکن اگر اس کمی کو پورا کر دیا جائے تو بڑھاپا کافور ہو جاتا ہے اور جوانی واپس آجاتی ہے۔ ایک قسم کی فرحت اور انبساط پیدا ہو جاتی ہے ڈاکٹر فنک نے ایسے بارہ آدمیوں پر تجربہ کئے جو کہ بہت ہی بڈھے تھے رکھال میں

---

[1] عبرانی زبان میں مَن بخلاف عربی ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے لئے آجاتا ہے۔

تمام جھریاں پڑ گئیں تھیں۔ چہرہ اور گردن کی کھال لٹک گئی تھی۔ قوت نام کو باقی نہ تھی لیکن اس دوا نے تمام چہرہ بھر دیا۔ پژمردگی دور ہو گئی۔ شگفتگی و تازگی آ گئی۔ جھریاں دور ہو گئیں۔ قوتِ مردمی پیدا ہو گئی۔ اور وہ ہر طریقہ سے جوان ہو گئے۔

لوگوں کو سن کر تعجب ہو گا کہ سائنٹفک تجربوں نے ثابت کیا ہے کہ درختوں، پودوں اور کیڑوں میں بھی دل موجود ہیں؟ ڈاکٹر جے سی بوز نے کچھ پرلطف تجربے درختوں پر کئے ہیں۔ اس نے اول درختوں میں زہریلی بوٹیوں کے ٹیکے لگائے جن سے وہ بالکل مرجھا گئے۔ شاخیں بھی جھک گئیں لیکن بعد کو اس نے ایک دوسری بوٹی کا ٹیکہ لگایا جو کہ ہمالیہ کے دامن میں پائی جاتی ہے درخت ٹیکہ لگاتے ہی پھر سرسبز و شاداب ہو گئے۔ ان کی اصلی حالت ہو گئی۔

اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ نباتات و حیوانات پر کیمیاوی زہر کا یکساں اثر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے ایک مینڈک کو زہر دیا۔ جس سے دفعتہً اس کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ اور دم بالکل نکل گیا بعد کو اُس نے اس عجیب و غریب بوٹی کا ٹیکہ دیا جس کے لگاتے ہی حرکتِ قلب شروع ہو گئی۔ جان از سر نو پڑ گئی اور اس پر لطف یہ کہ مینڈک پر زہر یا کسی قسم کی کمزوری کا بھی مطلق اثر نہ تھا۔

ان تمام تحقیقات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آبحیات بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

امریکہ کے دنداں سازوں نے اس قدر ترقی کی ہے۔ کہ وہ قدرتی دانتوں کی جگہوں میں مصنوعی دانت اس خوبی سے رکھ دیتے ہیں جیسے کہ باغبان پودے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لگا دیتا ہے۔ ان مصنوعی دانتوں اور قدرتی دانتوں میں بالکل فرق نہیں ہوتا۔ ایک عورت نے جس کا چہرہ بہت لمبا تھا۔ اور دانت خراب ہونے کی وجہ سے بہت بدصورت معلوم ہوتا تھا مصنوعی دانت بنوا لئے جس سے تمام خرابی دور ہو گئی اور چہرہ بھر گیا۔

عنقریب وہ زمانہ آ رہا ہے۔ کہ فیشن کے دلدادہ اصحاب کو لباس کی بابت زیادہ دردسری نہیں کرنا پڑے گی۔ موجودہ یورپین اقوام کا جو لباس ہے۔ وہ بالائی بنفشی شعاعوں کا فائدہ اٹھانے سے روکتا ہے۔ ہوا اور روشنی کا لطف صرف چہرہ اور ہاتھ اٹھاتے ہیں بقیہ حصص جسم ملبوس ہونے کی وجہ سے ہوا اور روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ مردوں کے لباس سے عورتوں کے کپڑے اس لحاظ سے زیادہ مفید ہیں کیونکہ ڈھیلے ڈھالے ہونے کی وجہ سے ہوا اور روشنی کو نہیں روکتے مردوں کے لباس کی قطع و بید میں بھی بہت جلد تبدیلی ہو جائے گی۔

فلوریڈا کے اڈیسن صاحب سوچ رہے ہیں کہ سورج کی روشنی سے بجلی وسیع پیمانہ پر کس طرح بنائیں۔ اگر انسان نے اس پر قبضہ پا لیا تو بہت سی مشکلات دور ہو جائیں گی

ڈاکٹر ڈینی کا بیان ہے کہ زہر کے کیمیاوی اجزا پژمردہ پھولوں میں تازگی پیدا کر سکتے ہیں۔ وہ ۲۲۰۰ زہر آزما چکے ہیں لیکن ان کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ پھول خود بخود کیوں مرجھا جاتے ہیں۔

اطبا عام طور سے آنکھوں کے دکھنے میں عرق گلاب بتاتے ہیں۔ لیکن یہ مضر چیز ہے اس وجہ سے کہ عرق گلاب کشید کرتے وقت پھولوں کے ساتھ روغن ردا سہ ملایا جاتا ہے۔ جو کہ ذائقہ کو کڑوا کر دیتا ہے۔ اور خوشبو کو بڑھا دیتا ہے۔ اور آنکھوں کے واسطے سخت مضر ہے۔

اگر کوئی زہریلا کیڑا کاٹ کھائے۔ تو عرق پیاز لگا دینے سے اثر باطل ہو جاتا ہے۔ کھنکھجورا یعنی ہزار پایہ ڈاکٹر کے واسطے گول پیلے کدو کا ڈنٹھل گھس کر لگایا جاتا ہے۔ بچھو کے زہر کا اثر عرق پیاز۔ پیلے پھول کی کٹیا کی جڑ گھس کر لگانے سے دور ہو جاتا ہے۔ اگر پسی ہوئی ہلدی کو دہکتے ہوئے انگارہ پر ڈالیں۔ اور دھوئیں سے کاٹی ہوئی جگہ کو دھونی دیں یا زیرہ کو پیس کر اس میں شہد، نمک اور گھی ملا کر لگائیں۔ تو زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ ان سب چیزوں سے بڑھ کر لکرامونیا فارٹیس۔ جو کہ بازار میں انگریزی دواخانوں میں بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔ بہت مفید ہے۔

ڈاکٹر ولیمس نے معلوم کیا ہے۔ کہ مختلف قسم کے مچھر ہوتے ہیں بعض انسان کے ساتھ جہاز میں سفر کرنا پسند کرتے ہیں اور بعض مقامی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے ۱۹۱۳ء میں ۸۸۶ مچھر جہازوں پر شمار کئے۔ جن میں سے ۵۰ فی صدی ایک ہی قسم کے تھے۔ بقیہ دوسری قسموں کے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق ایسی قسمیں بہت کم ہیں جو بیماری کے جراثیم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیں۔

(رسالہ کیمیکل سوسائٹی)

سکھ گوروصاحبان کے قاتل کون تھے

(مولوی محمد عصمت اللہ صاحب)

جب سے ملک میں شدھی اور سنگٹھن کی نامبارک تحریک شروع ہوئی ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ امن عامہ میں خلل پیدا ہوگیا ہے۔ اور آئے دن باہمی سرپھٹول کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ سچائی اور راست بیانی کا افق بھی افترا پردازیوں اور دروغ بافیوں کے غبار سے تیرہ و تار ہوچکا ہے۔ آریہ اخبار اور آریہ مصنف آئے دن مسلمانوں کے فرضی مظالم کے قصے گھڑ گھڑ کر بہت بڑی آب و تاب کے ساتھ اخباروں اور کتابوں میں چھاپ رہے ہیں۔

انہی قصوں میں سے سکھ بھائیوں کے بعض مقدس گوروصاحبان کے حالات قتل بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مستند حوالجات تاریخی کی بنا پر انہیں ضبط تحریر میں لے آئیں۔ تاکہ سکھ بھائیوں کے قلوب مسلمانوں کی طرف سے صاف ہوں۔ اور دونوں قومیں آپس میں محبت و اتفاق کے ساتھ رہنا سیکھیں اور اپنے اپنے بزرگوں کی پیروی کرتی رہیں۔

سری گورو ارجن دیوجی کی وفات

جنم ساکھی بھائی بالا میں لکھا ہے کہ دیوان چندو لعل برہمن کی دختر کا رشتہ لینے سے جب گوروصاحب نے انکار کردیا تو اس نے طرح طرح کے دھوکے اور فریب گوروصاحب کو دئیے۔ اور قسم قسم کے خوف دلانے کی ناپاک کوشش کی مگر گورو صاحب اپنے قول سے نہیں پھرے۔ لکھا ہے۔ کہ چندو بند کو خدمت کرنے کے بہانے سے گوروصاحب کو اپنے گھر لے گیا اور اپنی طاقت کا خوف دلاکر کہا۔ کہ اگر آپ میری لڑکی کا رشتہ اپنے فرزند کے لئے قبول نہ کرو گے۔ تو آپ کو بہت دکھ دونگا گوروصاحب جی نے اس پر بھی چندو کی بات کو نہیں مانا۔ چندو نے بھی آپ کو دکھ دینا شروع کردیا۔ گرم بالو کے کڑچھے بھر بھر کر آپ کے مبارک جسم پر ڈالے۔ اور توے کے اوپر گوروصاحب کو بٹھلا کر نیچے آگ جلوائی۔ ازیں قبیل اور بھی طرح طرح کے ظلم کئے۔ آخر کار ہندو ہونے کے باوجود یہ صلاح ٹھانی کہ گوروصاحب کو گائے کے خام چمڑے میں سی دیا جاوے یہ اطلاع ہونے پر گوروصاحب صبح سویرے اٹھ کر اشنان کرنے کے لئے دریائے راوی کے کنارے پر تشریف لائے۔ اور اشنان کرتے کرتے چولا چھوڑ دیا۔ (جنم ساکھی کلاں ترجمہ دیارام عاکف ص۱۹)

اس پر درد اور دل خراش واقعہ کے حالات پڑھ کر صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ سری گورو ارجن دیوجی مہاراج کا قاتل دیوان چندو لعل نامی ایک ہندو تھا۔ اور اس نے گورو جی مہاراج پر اسقدر مظالم صرف اپنی ایک ذاتی غرض کو پورا کرنے کے لئے روا رکھے تھے۔ اور وہ چاہتا تھا کہ گورو جی مہاراج کسی طرح پر اس کی لڑکی کا رشتہ منظور فرمالیں۔

گورو جی مہاراج کے جو تعلقات مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ وہ ذیل کے واقعات سے صاف روشن ہیں۔

دربار صاحب امرت سر جس کی عظمت و احترام کے آگے ہر سکھ بھائی کی گردن جھکتی ہے۔ جب اس مقدس مقام کے سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو گورو ارجن دیوجی مہاراج نے اس مقدس و مبارک کام کو انجام دینے کے لئے حضرت میانمیر رحمۃ اللہ علیہ کو انتخاب فرمایا۔ سکھ اور مسلمانوں کے روحانی تعلقات صفحہ ۲۴۔ اس وقت ہندوستان میں بڑے بڑے یوگی مہا یوگی سنیاسی پنڈت ضرور موجود ہوں گے۔ مگر گورو ارجن دیوجی مہاراج کا حضرت میانمیر کو جو کہ ایک مسلمان خدا پرست ولی تھے۔ اس مبارک کام کے لئے انتخاب فرمانا گورو صاحب اور حضرت میانمیر صاحب کے باہمی اخلاص و محبت پر دال ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گورو صاحب حضرت میانمیر سے کسقدر خلوص رکھتے تھے اور حضرت میانمیر صاحب نے گورو صاحب کے ارشاد کے بموجب دربار صاحب کا سنگ بنیاد رکھا تو سنگ بنیاد رکھنے وقت پتھر ٹیڑھا رکھا گیا۔ اور معمار نے اس کو سرکا کر سیدھا کر دیا۔ گورو صاحب نے معمار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تو نے غضب کر دیا۔ پاکیزہ ہاتھوں کا رکھا ہوا پتھر سرکا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ایک دفعہ یہ مقام گرے گا۔ اور گر کر پھر بنے گا۔ چنانچہ آگے چل کر گورو صاحب کے ارشاد کا ایک ایک لفظ پورا ہوا۔ بابا نانک کا مذہب صفحہ ۱۴۷۔

جن دنوں میں دربار صاحب امرت سر کے تالاب کی کھدائی کا کام جاری تھا۔ وزیر خاں نائب وزیر ہند جو کہ مرض استسقا میں مبتلا تھا۔ گورو صاحب کی خدمت میں آکر عرض گذار ہوا کہ مجھ پر لطف و کرم فرمائیے۔ گورو صاحب نے بابا بڈھا جی سے کہا کہ یہ کیا کہتا ہے۔ بابا بڈھا جی نے گارے کی بھری ہوئی ٹوکری وزیر خاں کی توند پر دے ماری جس کے صدمے سے اسے دست جاری ہو گئے۔ اور وہ بالکل تندرست ہو گیا۔ جنم ساکھی کلاں صفحہ ۱۸۷

ان مشتے نمونہ از خروارے دو حکایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ گورو صاحب کے مسلمانوں سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ اور مسلمان بھی گورو صاحب کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور مشکلات کے وقت گورو صاحب کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اور گورو صاحب بھی مسلمان اولیا کی عظمت کے قائل تھے۔ اور خالص مذہبی تقریبوں پر بھی حضرت میاں میر رحمۃ اللہ علیہ جیسے کامل ولی کے ہاتھوں دربار صاحب جیسے مقدس مقام کا سنگ بنیاد رکھوانا نہایت متبرک سمجھتے تھے۔

گورو تیغ بہادر کا حادثہ فاجعہ

گورو تیغ بہادر صاحب کے واقعہ قتل کو اگر سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جاوے تو ماننا پڑے گا کہ اس میں بھی ہندو ہاتھ ہی کام کر رہا تھا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سوڈھی صاحبان جو ہندو تھے۔ اور گورو صاحب کے مسند گوریائی پر متمکن ہوتے ہی مخالفت پر تل پڑے تھے۔ اور ہر وقت گورو صاحب کے درپئے آزار رہتے تھے۔ انہوں نے دربار عالمگیری میں شکایت کی کہ گورو صاحب نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اور رجا بجا آپ کے آدمی مارتے اور رعایا کے گھر لوٹتے ہیں۔ اور حافظ آدم بنوری کو ساتھ ملا کر پنجاب میں استحصال بالجبر کرتے ہیں۔ عالمگیر نے گورو صاحب کو دہلی بلوایا۔ گورو صاحب کچھ دن اپنے خاص معتمد سیف علی خاں کے پاس سیف آباد میں رہ کر سامانہ میں محمد بخش افغان کے مہمان ہوتے ہوئے متھرا سے آگرہ چلے گئے۔ اور دربار میں نہ پہنچے۔ ہندو مخالفوں کو اور لگانے بجھانے کا موقعہ مل گیا۔ شاہی فوج گرفتاری کے لئے مامور ہوئی اور حافظ آدم اور گورو تیغ بہادر دونوں گرفتار ہو گئے۔ اور گرفتار ہو کر عالمگیر کے سامنے پیش ہوئے اس نے دریافت کیا۔ کہ آپ کیوں اور کس استحقاق سے استحصال بالجبر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ الزام غلط ہے۔ میں تو ایک فقیر ہوں مجھے ان باتوں سے کیا کام۔ عالمگیر نے گورو صاحب پر اعتبار کر کے ہندوؤں کا دعوے خارج کر دیا۔ اور کہا۔ کہ آپ فقیر ہیں کوئی کرامت دکھائیں۔ آپ نے فوراً ایک تعویذ لکھا۔ اور کہا۔ کہ جس کی گردن میں باندھ دیا جاوے گا۔ تلوار اس پر کارگر نہ ہو گی۔ اور امتحاناً میں اپنے آپ کو جلاد کے سامنے پیش کرتا ہوں آپ وار کا حکم دیں۔ مجھ پر کوئی اثر نہ ہو گا۔ عالمگیر نے سمجھا کہ گورو صاحب سچ فرماتے ہیں۔ انپر تلوار کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ کرامت کا کرشمہ دیکھو۔ جلاد سے کہہ دیا۔ اس نے تلوار ماردی اور سر کٹ گیا۔ عالمگیر کو نہایت افسوس ہوا۔ تعویذ کو کھول کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا۔ سر دیا پر سر نہ دیا۔

حافظ آدم کو استحصال بالجبر ثابت ہونے پر جلاوطنی کی سزا دی گئی۔

یہ واقعہ صاف بتلا رہا ہے کہ اورنگ زیب کی یہ نیت ہی نہ تھی کہ گورو صاحب کو قتل کیا جاوے۔ ورنہ ہندو مخالفوں کے دعوے ہی کو کیوں خارج کر دیتا۔ جس طرح حافظ آدم کو سزا دی تھی۔ گورو صاحب کو بھی دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ گورو صاحب کو سچا سمجھ کر اور انہیں کامل فقیر جان کر کرامت کا طالب ہوا۔ اور جب گورو صاحب نے ایک تعویذ لکھ کر اس کی یہ تاثیر اور کرامت جتلائی کہ جسکے بازو پر یہ باندھا جائے گا اس پر تلوار کارگر نہیں ہو گی اور فرمایا کہ اس غرض کے لئے امتحاناً میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ آپ جلاد سے کہیں کہ وہ تلوار مارے۔ تعویذ کی تاثیر سے مجھ پر کارگر نہیں ہو گی کرامت کا متجسس بادشاہ کیا جانتا تھا۔ کہ گورو صاحب کی اس بات میں کیا راز پنہاں ہے۔ وہ تو یہی سمجھے بیٹھا تھا۔ کہ سر

نہیں کٹے گا۔ اور لوگ گورو صاحب کی کرامت کے قائل ہو جائیں گے۔ اور ہندو مخالف جنہوں نے گورو صاحب کے برخلاف ناجائز دعوے دائر کر دیا تھا۔ اس کرامت کو دیکھ کر عرق انفعال سے پانی پانی ہو جاویں گے۔ اس لئے جلاد سے کہہ دیا۔ اس واقعہ سے حقیقتاً اورنگ زیب پر گورو صاحب کے قتل کا الزام وارد نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ضرور کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس نے گورو صاحب کو گرفتار کرنے کے لئے مجبوراً فوج بھیجی جس کی وجہ صرف یہ تھی۔

کہ ہندو مخالفوں نے دعوے دائر کر دیا تھا۔ اور طلبی پر گورو صاحب تشریف نہیں لائے۔ ہندو مخالفوں کو اور لگانے بجھانے اور زور دینے کا موقعہ ملا۔ مجبوراً اورنگ زیب کو فوج بھیجنی پڑی مگر پھر بھی اس نے گورو صاحب کو سچا سمجھ کر ہندوؤں کے دعوے کو خارج کر دیا۔ اور مسلمان مجرم ثابت ہوا اسے سزا دے دی۔ یہ تمام آثار چڑھاؤ ہندو مخالفوں کی وجہ سے ہوا جنہوں نے پہلے ہی سے گورو صاحب کی مخالفت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ سب سے پہلے جب گورو تیغ بہادر جی مہاراج مسند گورپائی پر متمکن ہوئے تو سوڈھی دھیر مل وغیرہ نے مخالفت شروع کر دی اور ایڑی چوٹی تک کا زور گورو جی مہاراج کی مخالفت میں صرف کر دیا۔ ، کا مال واسباب لوٹا اور طرح طرح کے دکھ دئیے۔ انتہا یہ کہ آپ کو نشانۂ بندوق تک بنایا۔ مگر جسے خدا رکھے اسے کون مارے۔ گولی نے خطا کی۔ اور آپ بال بال بچ گئے۔ دیکھو تاریخ گورو خالصہ بھائی سورج سنگھ گیانی ص ۷۵۳

جب گورو جی مہاراج زیارت کی غرض سے امرت سر تشریف لائے۔ تو پجاریوں نے بایں خیال کہ گورو جی مسند پر قابض نہ ہو جاویں۔ دربار صاحب کے دروازے بند کر دئیے۔ اور گورو صاحب کو دربار صاحب میں داخل نہ ہونے دیا۔ تاریخ گورو خالصہ مذکور ص ۷۵۵

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ یہ سب پجاری ہندو ہی تھے۔ گورو صاحب نے اس پر صبر فرمایا۔ اور امرت سر سے دو کوس پرے جا ٹھہرے۔ سورج مل سوڈھی یہاں بھی نہ دیکھ سکا۔ بناچار آپ نے دریائے ستلج کے کنارے کچھ زمین خرید فرما کر انند پور آباد کیا۔ دھیر مل کو یہ بھی نہ بھایا۔ رام رائے کو ابھار کر گورو صاحب کے برخلاف دعوے دائر کرا دیا۔ اورنگزیب نے حکم دیا میں گورو صاحب کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔ تاریخ مذکور ص ۷۷۳ ص ۷۷۹

اس دعوے میں دھیر مل کو گورو صاحب کے برخلاف کامیابی نہ ہوئی۔ تو کچھ دن ٹھہر کر پھر نالش دائر کر دی۔ اور یہ بھی کہا کہ گورو صاحب خود بادشاہت کے متمنی ہیں۔ بادشاہ نے گورو صاحب کو بلوایا۔ اور ان کی فقیرانہ اور صوفیانہ صورت کو دیکھ کر جان لیا کہ یہ خدا رسیدہ درویش ہے۔ اس کے دماغ میں سلطنت کی بو کہاں۔ راجہ جے سنگھ سوائی نے بھی صورت حالات پر روشنی ڈالی۔ نتیجہ یہ کہ بادشاہ نے پھر دعوے خارج کر دیا۔ اور دھیر مل رام رائے اپنا سا منہ لے کر

ره گئے۔ کیا ان واقعات سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ گورو تیغ بہادر جی مہاراج مدۃ العمر ہندوؤں ہی کے بے جا مظالم کا نشانہ بنے رہے۔ اور انہوں نے آپ کو کہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اورنگ زیب گورو صاحب کے کمالات کا معترف تھا۔ اور ان کی بے انتہا قدر کرتا تھا۔ مگر رحم دل ہندو رات دن لگاتے بجھاتے رہتے تھے۔ کبھی گورو صاحب کے برخلاف نالشیں دائر کرتے اور کبھی یہ کہتے کہ یہ باغی ہے: اور خود سلطنت لینے کا خواہشمند ہے۔ اورنگ زیب آخر انسان ہی تھا عالم الغیب نہ تھا۔ نالش ہونے پر گورو صاحب کو بلاتا۔ مگر یہ اس کی عاقبت بینی اور دانشمندی تھی۔ یا یوں کہئے۔ کہ گورو صاحب ہی کی سچائی اور صداقت کا نتیجہ تھا کہ وہ ہر بار ان کے دعوے کو خارج کر دیتا۔ ورنہ ان ہندوا ہنسا پرمو دھرما کہنے والے مہاتماؤں نے گورو صاحب کی بیخ کنی میں کونسا دقیقہ اٹھا رکھا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ مسلمان ہی ظالم اور قاتل ہیں۔

شہزادہ زور آور سنگھ اور شہزادہ فتح سنگھ کا دردناک قتل

زور آور سنگھ جی اور فتح سنگھ جی سری گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے نوعمر نونہال تھے۔ ان دونوں شہزادوں کے قتل کا حال نہایت دردانگیز اور دل خراش ہے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بظاہر اس قتل میں ایک مسلم ہاتھ کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مگر تاریخ کہتی ہے۔ کہ وہ ہاتھ بھی خود متحرک نہیں ہوا۔ اور جنبش میں نہیں آیا۔ اس کی جنبش وحرکت بھی ہندو ہاتھوں ہی پر موقوف تھی

جن دنوں گورو مہاراج انندپور سے نکلے تھے۔ وہ سخت ترین مصائب اور تکالیف و آلام کے دن تھے۔ اور ہاپا دھاپی کا زمانہ تھا۔ اس پر آشوب زمانے میں ماتا گوجری صاحبہ نے مناسب سمجھا۔ کہ اپنے قدیمی نمک خوار گنگا رام برہمن کے گھر میں چند روز آرام لے لیں۔ گنگارام برہمن نے بھی یہی تحریک کی۔ اس پر ماتا صاحبہ زر وجواہر اور زیورات کا ایک بیش قیمت ڈبہ اور یہ دونوں گرانمایہ ہیرے اپنے ہمراہ لے کر موضع کھیڑی میں اس برہمن کے گھر تشریف آور ہوگئیں۔ زر وجواہرات اور زیور کے ڈبے کو دیکھ کر برہمن کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور قدیمی نمک خواری کے حق پر پانی پھیرا۔ اور ڈبہ اڑا لیا۔ اگر وہ اس پر بس کر جاتا۔ تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ مگر اس گنہگار کا دل تو اس فکر میں تھا۔ کہ کسی طرح چوری کو بلا ڈکار ہی ہضم کرنے۔ اس لئے اس کو یہی مناسب نظر آیا۔ کہ صوبیدار سرہند کے پاس مخبری کر کے دونوں معصوم نونہالوں کو معہ ماتا صاحبہ کے گرفتار کرا دوں۔ تاکہ انہیں اپنی پڑ جائے۔ اور چوری کا خیال ہی نہ رہے۔ اور میں چوری بھی ہضم کر جاؤں اور صوبیدار کے ہاں بھی عزت پاؤں اور بیش بہا انعام حاصل کروں۔ غرض اس کمینے برہمن نے یہ سوچ کر

مخبری کردی اور دونوں صاحبزادوں کو معہ ماتا صاحبہ کے گرفتار کرا دیا اول تو صوبیدار سرہند خود ہی دونوں صاحبزادوں کو کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا اس پر نواب شیر محمد خاں والی مالیر کوٹلہ نے جو کہ خاندانی مسلمان اور شریعت اسلامی کا پابند تھا صوبیدار مذکور کو سمجھایا اور حد سے زیادہ تاکید کر کے کہا کہ دیکھنا ان دونوں کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ مگر سچد انند ہند و کھتری نے جو کہ صوبیدار مذکور کا دیوان تھا۔ اور گورو صاحب کے خاندان کا جانی دشمن تھا۔ یہ ناصواب صلاح دی کہ افعی راکشتن و بچہ اش رانگہہ داشتن کار خرد منداں نیست۔ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود۔ یہ ہمارا اپنا ہی بیان نہیں ایم ایس جوہر صاحب نے بھی اپنی کتاب سوانح عمری گورو گوبند سنگھ صاحب میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور اس کی تحریر حسب ذیل ہے۔

"شیر محمد خاں نواب مالیر کوٹلہ کے سمجھانے سے صوبہ ان کا خون بہانا نہ چاہتا تھا۔ مگر اس کے دیوان سچد انند کھتری نے جو گورو کا دیرینہ دشمن تھا۔ یہ صلاح دی سانپ کے بچے سانپ ہیں۔ ان کا سلامت رکھنا خلاف مصلحت اور عقل دور اندیش ہے"۔ سوانح عمری مذکور ص۲۳

ہندو دیوان کی بے جا ترغیب و تحریص سے آخر صوبیدار نے حکم قتل صادر کر دیا اور وہ دونوں معصوم بچے نہایت بے دردی کے ساتھ دیواریں چنے گئے۔ افسوس

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے۔
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

سکھ بھائیوں کی تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ صوبیدار سرہند نے حکم قتل صادر کرنے سے پہلے دونوں نونہالوں کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور دونوں نونہالوں نے اس کی قبولیت سے انکار کر دیا۔ دونوں نونہالوں کا قبولیت اسلام سے انکار کرنا تو قریب امکان ہے۔ کیونکہ ایک غیر معمولی روحانی طاقت رکھنے والے برگزیدہ گورو کے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے ان میں باوجود صغیر السن ہونے کے غیر معمولی طاقت کا ہونا غیر ممکن نہیں۔ مگر یہ امر کہ صوبیدار سرہند نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا محل نظر ہے۔ اور قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس وقت ایک صاحبزادے کی عمر آٹھ اور دوسرے کی چھ سال تھی۔ اور قواعد اسلامی کے رو سے ایسی عمر والے کسی غیر مسلم بچے کو مسلمان بنایا نہیں جا سکتا۔ پھر کیسے خیال میں آسکتا ہے کہ صوبیدار مذکور نے اس خلاف شریعت فعل کا ارتکاب کر کے گناہ مول لے لیا ہو۔ جب کہ اس عمر میں کسی غیر مسلم بچے کا مسلمان بنانا ہی صحیح نہیں۔ تو پھر صاحبزادوں کی طرف سے انکار کا ہونا بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ امر بالکل سچ ہے۔ کہ صوبیدار سرہند دونوں معصوم نونہالوں کے قتل کا مرتکب ہوا۔ ہم اس کے اس بدترین گناہ کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور صاف

کہتے ہیں کہ اس نے یہ نہایت ہی برا کام کیا۔ اس کا یہ فعل نہ صرف ہم کو ہی برا لگتا ہے۔ بلکہ کل دنیائے اسلام ہی اس کو نفرت کی نگہہ سے دیکھتی ہے۔ اور نگ زیب نے بھی اس کو نفرت ہی کی نگہہ سے دیکھا تھا۔ اور اس نا ملائم فعل کی سزا میں صوبیدار مذکور کو ہمیشہ کے لئے معطل کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی یہ کہنا بالکل سچ ہے۔ کہ صرف صوبیدار مذکور ہی اس گنہ کا مجرم نہیں۔ بلکہ سب سے بڑا مجرم ہندو دیوان سچا نند کھتری ہے۔ جو کہ گورو صاحب کے خاندان کا جانی دشمن تھا اور جس کی پر فریب ترغیب وتحریص اور مزورانہ سازش سے یہ فعل قبیح عمل میں آیا۔ اور اس کے علاوہ گنگارام برہمن بھی کچھ کم مجرم نہیں جس نے زرو جواہر اور زیورات کی طمع سے اپنے دو معصوم آقاؤں کو باوجود قدیمی نمک خوار ہونے کے قتل گاہ کی طرف مخبری کر کے دھکیل دیا۔ بلکہ حقیقۃً انحال یہ ہے۔ کہ جس صورت میں گھر کا قدیمی نمک خوار برہمن زرو زیور کی طمع میں آکر ننھے آقاؤں کے خون کا پیاسا بن جائے۔ پھر ہندو دیوان سچا نند کھتری ان کے خون کا اس قدر پیاسا ہو کہ وہ ان کو سانپ کے بچے کہہ کر قتل پر حد سے زیادہ مصر ہو۔ تو اس صورت میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ کہ گورو مہاراج کے ان معصوم نونہالوں کے خون کا ذمہ وار سرہند کا صوبیدار نہیں بلکہ گنگارام برہمن اور ہندو دیوان سچا نند کھتری ہے۔

گورو گوبند سنگھ صاحب اور ہندو مسلم سلوک

گورو گوبند سنگھ جی مہاراج کے پرلوک گمن کے حالات لکھنے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے ساتھ جو ہندو مسلم تعلقات تھے۔ ان پر روشنی ڈالی جائے۔

گورو مہاراج پٹنے میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ابھی آپ چالیس ہی دن کے تھے۔ کہ اپنے وقت کے مشہور ولی سید بھیکھ چشتی مولود مسعود کے دیدار کی غرض سے بمقام پٹنہ تشریف لائے۔ سوانح عمری گورو گوبند سنگھ صاحب ایس ایم جوہر صـ۳

ایک دفعہ اپنے ہم عمر بچوں سے کھیل رہے تھے کہ مشہور و معروف درویش اور ولی عارف الدین پالکی میں سوار پاس سے گذرے۔ جب گورو جی پر نگہہ پڑی تو پالکی میں سے اتر آئے۔ اور اپنے خادموں سے فرمایا۔ گنج معرفت کی کلید آج اس بچے کے پاس ہے سوانح عمری مذکور صـ۵

سید بدھو شاہ پیر ساڈھورہ نے پانچ سو افغان اور چار رسالدار گورو صاحب کے پاس ملازم کرائے سوانح عمری مذکور صـ۹ جب حیات خاں باغی ہوا۔ تو سید صاحب ممدوح نے اپنی فوج ساتھ لے کر گورو صاحب کی امداد فرمائی۔ گورو صاحب نے بھی سید بدھو شاہ صاحب کی بڑی قدر کی۔ سند خوشنودی عطا فرمائی۔ دستار مبارک بخشی۔ اور کنگھی عنایت فرمائی۔ چنانچہ

یہ جملہ اشیاء آج تک ان کی اولاد کے قبضے میں ہیں۔ اور سکھ بھائی نذریں لے کر ان کی زیارت کو جاتے ہیں۔ سوانح عمری مذکور صنا

ماچھی واڑے کے مقام پر جب گورو صاحب ایک باغ میں پوشیدہ ہو گئے۔ تو باغ کے مالک غنی خاں اور نبی خاں آپ سے بکمال سلوک پیش آئے اور بہت خاطر مدارات کی۔ اور اپنی حفاظت میں بہلول پور تک پہنچا دیا۔ سوانح عمری مذکور ص۲۶

جن دنوں گورو صاحب نے گلابہ سنگھ کے گھر پناہ لی۔ اور گلابہ سنگھ نے آپ کو قاضی پیر محمد کے گھر پہنچا دیا۔ تو قاضی صاحب نے آپ کو نیلے کپڑے پہنا کر اُچ کا پیر مشہور کر دیا۔ تاکہ کوئی آپ کا مزاحم نہ ہو سکے۔ رائے کلہ نے جو کہ مسلمان تھا۔ دہم گورو کی بڑی عزت کی۔ دلداری اور تواضع کے جملہ مراتب لگاہ رکھے۔ گورو صاحب نے نواب شیر محمد خاں والی مالیر کوٹلہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ سوانح عمری مذکور ص۲۷

اورنگ زیب ہندو سازشوں کی بنا پر گورو صاحب کے مخالف رہا۔ مگر حقیقۃ الحال منکشف ہو جانے پر اس نے عام تاکیدی احکام جاری کر دیئے۔ اور پنجاب کے ناظموں کے نام بالخصوص حکم جاری کئے۔ کہ آیندہ کوئی دہم گورو صاحب کے مزاحم نہ ہو۔ اور ان سے باعقیدت و ارادت پیش آئے۔ سوانح عمری مذکور ص۲۹

گورو صاحب نے بندے بیراگی کو حکم دیا تھا۔ کہ سب سے پہلے ساڈھورہ نام قصبے کو خاک میں ملاؤ۔ اس کے باشندوں کا کھوج مٹاؤ۔ کیونکہ انہوں نے ہمارا دلی دوست بدھو شاہ فقیر قتل کیا ہے۔ سوانح عمری مذکور ص۳۴

سامانہ پہنچو تو سادات سامانہ کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ کیونکہ وہ ہمارے دوست ہیں۔ سوانح عمری مذکور ص۳۴ گورو صاحب نے بہادر شاہ بادشاہ کی بہت مدد فرمائی۔ اور پانچ سو سکھ بمعہ دیا سنگھ اس کی امداد کو روانہ کئے۔ بہادر شاہ نے گورو صاحب کو بمقام آگرہ بلوایا۔ آپ کے تشریف لانے پر عزت و توقیر کے ساتھ استقبال کیا۔ اور اپنے ساتھ آپ کو آگرے سے دہلی لایا۔ یہاں آپ کی بڑی عزت اور قدر کی۔ اور ایک گوردوارہ بطور یادگار ہشتم اور ایک بطور یادگار نہم بادشاہ بمقام دہلی فوراً تعمیر کرا دیا۔ اور پچپن ہزار روپے کی لاگت سے ماتا سندری اور ماتا صاحب دیوی کی سکونت کے لئے ایک محل بنوا دیا۔ اور ان کی خدمت کی غرض سے یہاں سکھوں کی ایک جماعت متعین اور مقرر کی

سوانح عمری مذکور ص۳۲ و ۳۳

اس مختصر بیان سے ناظرین اس نتیجے پر بخوبی پہنچ سکتے ہیں۔ کہ گورو صاحب کے مسلمانوں اور مسلمانوں کے گورو صاحب کے ساتھ کس قدر گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اس لئے زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ ان تعلقات پر سکھ

تاریخوں کے حوالجات سے ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اب ہم مختصر طور پر ان تعلقات پر روشنی ڈالتے ہیں جو گورو صاحب اور ہندوؤں کے مابین تھے۔

راجہ رتن رائے والی آسام نے پرشادی نام ایک ہاتھی گورو صاحب کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا تھا۔ بلاسپور کے راجہ بھیم چند نے وہ ہاتھی گورو صاحب سے مانگا۔ آپ نے دینے سے انکار کیا۔ تو جنگ کر کے اور زور ڈال کر لینا چاہا مگر لڑائی میں شکست کھا کر ناکام رہا۔

پہاڑی ہندو راجاؤں نے گورو صاحب کو انندپور سے نکالنے کی غرض سے آرد گندم کی گائے بنا کر اس کا گلا کاٹا اور انندپور کے باہر رکھ دی۔ مجبوراً گورو صاحب کے لئے انتقال مقام لازم ہو گیا۔

راجہ فتح شاہ نے گورو صاحب کے تحائف لینے سے انکار کر دیا۔

راجہ ہری چند نے گورو صاحب کا مقابلہ کیا۔ اور اپنے پہلے تیر سے آپ کا گھوڑا ہلاک کیا۔ دوسرا تیر جسم مبارک پر مارا مگر حسن اتفاق سے موثر نہ ہوا۔

پہاڑی راجاؤں نے جو کہ ہندو تھے۔ گورو صاحب کے برخلاف شاہی دربار میں شکایتیں کیں۔ شاہی فوجوں کا آنا انہی ہندو شکایتوں کی بنا پر تھا۔

دنی چند کھتری گورو صاحب کے حکم سے منحرف ہوا۔ اور عین جنگ میں سامنے آکر بھاگ گیا۔

پہاڑی ہندو راجاؤں نے گورو صاحب کی مخالفت کی غرض سے صوبہ سرہند کو بیس ہزار روپے دئے۔ اور راجہ بھیم چند نے جو کہ دہم بادشاہ کا جانی دشمن تھا۔ اپنے گھرانے کی ایک پری رو جوان لڑکی بیوی بنانے کو دی جوالا مکھی کے مہنت نے گورو صاحب کی سخت مخالفت کی اور مخالف کی فوج کو پانچ سو جوانوں سے مدد دی پہاڑی ہندو راجے آپ کا روز افزوں عروج دیکھ کر ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ جب سکھوں نے آپ کو سچا بادشاہ کہنا شروع کر دیا۔ تو اور بھی کڑھے اور گھبرائے اور اپنے وکیل بھیج کر شاہی دربار میں فریاد کی۔ اور بادشاہ سے طالب امداد ہوئے۔

کرپال اس مہنت کے مکان پر گورو صاحب نے پناہ لینی چاہی۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

گورو صاحب کی آخری نصیحت اپنے سکھوں کو یہ تھی۔ سنگھوں کو ہندوؤں کی رسمیں چھوڑ دینی لازم ہیں۔

ان حالات سے جو نتائج نکل سکتے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں مگر جس نتیجہ کی طرف ہم ناظرین کی توجہ منعطف کرانی چاہتے ہیں۔ وہ صرف یہ ہے۔ کہ شہنشاہ دہلی کا گورو صاحب کے برخلاف فوجیں بھیجنا کسی ذاتی اور

مذہبی پرخاش کی بنا پر نہیں تھا۔ صرف ہندو راجاؤں کی آئے دن کی فریادوں اور شکایتوں کی بنا پر تھا۔ افسوس شہنشاہ دہلی
اس بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکا۔ کہ یہ تمام شکایتیں اور فریادیں گورو صاحب کے روز افزوں عروج کو دیکھ کر آتش حسد میں
جل مرنے کا نتیجہ ہیں۔ بھولا بادشاہ کیا سمجھ سکتا تھا۔ کہ ہندو بھی گورو کا دشمن ہو سکتا ہے۔ وہ تو ان کو دیوتا سروپ
سمجھتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا۔ کہ یہ دیوتائی کی اوٹ شکار کھیل رہے ہیں۔ جب اسے ہندو راجاؤں کی نابکاریوں
کا حقیقی حال معلوم ہو گیا۔ تو اس نے اپنی مملکت محروسہ میں عام احکام جاری کر دیئے۔ کہ کوئی گورو صاحب کا مزاحم نہ ہو
اور سب ان سے بعزت و مدارات پیش آویں۔ دراصل گورو صاحب کو اپنی پاکیزہ اور بے لاگ زندگی میں جن مشکلات کا
سامنا ہوا۔ ان سب کا پیش خیمہ دیوتا سروپ ہندو ہی تھے۔ آج بھی اس کلنک کے دھبے کو مٹانے کے لئے کئی ایسے دیوتا
سروپ موجود ہیں۔ جن کا مشن ہی یہ ہے۔ کہ تاریخی واقعات میں کانٹ چھانٹ کتر بیونت کر کے اور کچھ کا کچھ بنا کر ملک
کے خرمن امن میں آگ لگا دی جاوے۔

گورو گوبند سنگھ صاحب کا پرلوک گمن

اچل نگر میں گل خاں نام ایک افغان بچہ بطور خدمتگار گورو صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر رہتا تھا۔ گل خاں
پائندہ خاں کا پوتا ہوتا تھا۔ جو چھٹے بادشاہ کے ہاتھ سے لڑائی میں مارا گیا تھا۔ گورو صاحب گل خاں کے ساتھ اکثر اوقات
شطرنج کھیلا کرتے تھے۔ اور اس سے مخاطب ہو کر طنزاً اور رمزاً یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ کہ اپنے باپ دادا کے خون کا
بدلہ نہ لینے والا ولد الحرام ہوتا ہے۔ گورو صاحب کی ایسی طنزیہ باتیں سن کر ایک دن گل خاں نے اپنی ماں سے کیفیت
پوچھی۔ ماں نے کہا تیرے دادا کو گورو جی مہاراج کے جد بزرگوار نے قتل کر دیا تھا۔ ایک دن خلوت میں گل خاں کے
سامنے گورو صاحب نے پیش قبض رکھ دی۔ اور پھر وہی الفاظ زبان مبارک پر لائے۔ جو اکثر اوقات لایا کرتے تھے۔ اور
جنکا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ اور خود افیون کی جھوک میں چلے گئے۔ تنہائی کا موقعہ تھا۔ گل خاں نے وہ پیش قبض گورو صاحب
کے شکم میں رسید کر دی۔ جس سے زخم آگیا۔ گل خاں پیش قبض چلا کر بھاگ گیا۔ مگر سکھ اسے گرفتار کر کے خدمت میں لے آئے
آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ ہمیشہ سپوت ہی انتقام لیتے ہیں۔ شاہی جراحوں نے حزم و احتیاط سے علاج کیا۔ اور تھوڑے
ہی دنوں میں غسل صحت کرا دیا۔ مگر اس کے کچھ دن بعد ایک کڑی کمان کا چلہ کھینچنے پر ٹانکے ٹوٹ گئے۔ اور زخم وا ہو گیا
ہر چند اندمال کی کوشش کی گئی۔ مگر مندمل نہ ہوا۔ علاوہ ازیں یہ بھی روایت ہے۔ کہ زخم کھل جانے پر گورو صاحب
نے علاج کرانا ہی پسند نہیں فرمایا۔ اور جراحوں کو جواب دے دیا۔ اور گرنتھ صاحب کے آگے پانچ پیسے اور ایک ناریل

رکھ کر فرمایا۔

مرضی بُٹی اکال کی تبہی چلائیو پنتھ
سب سکھن کو حکم ہے گورو مانیو گرنتھ

پھر ایک صندل کی چکھا بنوائی اور اس کے گرد اگرد قنات لگوائی۔ اور خود مسلح ہو کر گھوڑا سا بند سے اس کے اندر داخل ہو گئے۔ اور سکھوں کو اندر آنے سے منع فرمایا۔ لکھا ہے کہ چتا خود بخود جل پڑی۔ اور گورو صاحب پرلوک گمن کر گئے۔

آج کل اس چتا کے مقام پر ایک عالی شان گوردوارہ بنا ہوا ہے جسے سکھ بھائی حضورا صاحب کہتے ہیں۔ جو سکھ اس مقدس مقام کا درشن کرتا ہے اسے حضوریہ کا خطاب ملتا ہے۔ نظام حیدر آباد کی طرف سے اس گوردوارہ کے لئے دس ہزار کی دائمی جاگیر لگی ہے۔ اور وہ اس کی بڑی توقیر کرتے ہیں۔ دربار کی طرف سے انہیں ہمیشہ پرشاد بھیجا جاتا ہے۔ جسے وہ ادب سے قبول فرماتے ہیں۔

گورو صاحب کے اس پرلوک گمن کی کیفیت کو ملاحظہ فرما کر ناظرین بہ آسانی اس نتیجے پر پہنچ جاویں گے۔ کہ گل خاں کو خود جناب والاہی نے پیش قبض چلانے پر مجبور فرمایا۔ ورنہ گل خاں اپنے دادا کے قتل کی کیفیت سے واقف ہی نہیں تھا۔ اور گورو گھر کی نمک خواری نے اسے اس قابل بھی نہیں چھوڑا تھا کہ گورو صاحب پر پیش قبض کا وار کرے۔ گورو صاحب نے اسے خود ہی ارشاد فرمایا۔ اور غیرت دلائی۔ چھوڑا اس نے پیش قبض گو ہیں وار کر دیا۔ مگر وار کرنا تو گورو صاحب کے حکم کی تعمیل تھی۔ پھر بھی گورو گھر کے نمک نے اس سے اتنی احتیاط کرا دی کہ تعمیل بھی ہو گئی۔ اور کاری زخم بھی نہ ہونے دیا۔ یہی وجہ تھی کہ چند روز کے علاج کو پوری صحت حاصل ہو گئی۔ اور آپ نے غسل صحت فرمالیا۔ کمان کا چلہ کھینچنے سے ٹانکوں کا ٹوٹنا اور راز سر نو زخم کا ہرا ہو جانا اس سے الگ بات ہے۔ پھر یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ گل خاں کو گرفتار کر کے گورو صاحب کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ انتقام لینا سپوتوں کا کام ہے۔ اور کوئی اظہار ناراضگی نہیں فرماتے گل خاں کو گورو صاحب کے ترغیب دینے میں ضرور کوئی روحانی حکمت ہو گی جسے ہم نا آشنا سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مگر گورو صاحب کی روحانیت پر یقین رکھتے ہوئے یہ ضرور کہتے ہیں۔ کہ فعل الحکیم لا یخلو اعن الحکمۃ ورنہ یقینی بات تھی۔ کہ ہم گل خاں کے برخلاف ہی فیصلہ دیتے۔ مگر کیا کریں گورو صاحب کا عمل اس سے مانع ہے۔ اور گل خاں کو بالکل بری قرار دیتا ہے۔ نظام دکن کی طرف سے گوردوارہ حضورا صاحب کے لئے دس ہزار کی جاگیر دیا جانا اور خود نظام کی طرف سے مراتب توقیر کا ادا ہونا اور گوردوار کے پرشاد کا ہمیشہ نظام کو بھیجا جانا ان پرانے تعلقات دوستانہ پر بین دلیل کا حکم رکھتا ہے۔ جو کہ سکھوں اور مسلمانوں میں

ہمیشہ قایم رہے ہیں۔ اور آیندہ قایم رہیں گے۔ علاوہ ازیں گورو صاحب کا آخری حکم بھی سکھ بھائیوں کے لئے قابل عمل ہے۔ گورو صاحب اپنے آخری حکم میں یہ نہیں فرماتے۔ کہ ویدوں کو الہامی کتابیں قرار دے کر انپر عمل کرنا۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ آیندہ کے لئے گرنتھ صاحب کو گورو ماننا۔ اور اسی کے احکام کے مطابق چلنا۔ اور رسومات کو بالکل چھوڑ دینا۔ ہندو مذہب کا دھارمک نشان جنیؤ ہے۔ اس کے متعلق گورو صاحب نے کوئی حکم ہی نہیں دیا۔ اور حکم ہی کیونکر دیتے۔ خود گورو نانک صاحب نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ اور پنڈت کے سمجھانے کے باوجود نہیں پہنا۔ اگر گورو جی مہاراج ہندو دھرم کو سچا سمجھتے۔ تو یقیناً جنیؤ پہننے کا حکم دیتے۔ کیونکہ ہندو اور آریہ دھرم کے مطابق جنیؤ نہ پہننے والا شودر ہوتا ہے۔ اور شودر ہی کو جنیؤ پہننے کا ادھیکار نہیں ہے۔ سوامی دیانند جی فرماتے ہیں۔ نویں[1] برس کے شروع میں دوج دبرہمن۔ کشتری۔ دیش) اپنی اولاد کا اُپ نین (رسم زنار بندی) ادا کر کے آریہ کل میں یعنی جہاں استاد پورے عالم اور استانیاں کاملہ اور فاضلہ تعلیم و تربیت کرنے والے ہوں لڑکے اور لڑکیوں کو بھیج دیں۔ شودر وغیرہ ورن اپ نین کئے بغیر ہی تحصیل علم کے لئے گروکل میں بھیج دیں ستیارتھ پرکاش ۳۰ صفحہ

مگر گورو جی مہاراج نے آریہ دھرم کے اس اصول کو جاننے کے باوجود اپنے سکھوں کو جنیؤ پہننے کا کوئی حکم نہیں دیا جس کی صرف یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے سکھوں کو آریہ دھرم سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔ اگر ہندو دھرم یا بہ الفاظ دیگر آریہ مذہب گورو صاحب کے نزدیک سچا ہوتا تو پھر علیحدہ پنتھ چلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ گورو مہاراج کا یہ اپدیش بھی اسی خیال کی تائید کرتا ہے۔

"وید پران انیک کہیں تم ایک نہ مانیو"

وید اور پران تو انیک مختلف باتیں کہتے ہیں۔ جن سے کوئی تسلی ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے تمہارا فرض ہے۔ کہ تم وید اور پران کے احکام کی تعمیل ہی نہ کرو۔

---

[1] آریہ سماج نے اس اصول کو بھی ترمیم کرنیکی کوشش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ بمقام متھرا دیانند جنم شتابدی کے موقعہ پر جہاں اور سوالات زیر بحث آئے تھے ایک سوال یہ بھی تھا۔ کہ اس بات پر وچار کر کے سمتی سنمتی کی جاوے۔ کہ اچھوتوں کا اُپ نین سنسکار آریہ سماج میں پرویش کے ساتھ ہی کر دیا جاوے یا اتھوا کچھ کال بعد۔ شردھ دیانند جنم شتابدی پرتانت صفحہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب آریہ دھرم ایک مکمل مذہب ہے اور وید بھگوان مکمل کتاب ہے تو پھر اس قسم کی ترمیم کیا معنی رکھتی ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ آریہ سماج عملاً ویدک دھرم کو نامکمل مذہب مانتا ہے۔ پھر جب ایک امر کا بانی آریہ سماج خود فیصلہ فرما چکے ہیں تو آریہ سماج کو اس میں ترمیم کرنیکا کیا حق ہے۔ کیا یہ ترمیم اس بات کی دلیل نہیں کہ سوامی جی مہاراج نے اُپ نین کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

گورو مہاراج کا یہ اپدیش اصل میں آریہ دھرم کے اس غلط خیال کی تردید ہے۔ کہ پرماتما آغاز دنیا میں الہام دے کر پھر بالکل چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس غلط اور ریاد رہوا اصول سے ہزاروں صداقتوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اور خود پرماتما میں کئی دوش عاید ہو جاتے ہیں۔

اول۔ یہ کہ پرماتما کی ایک صفت ہی بالکل معطل ہو چکی ہے

دوسرے یہ کہ اب وہ بولنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بالکل گونگا ہے۔

تیسرے یہ کہ ویدک رشیوں کے بعد کسی انسان کو اپنی ہم کلامی کا رتبہ بھی نہیں دے سکتا اس سے بالکل عاجز ہے۔

چوتھے یہ کہ کوئی انسان ویدک رشیوں کے بعد پرماتما کے مکالمہ اور مخاطبے کے شرف سے مشرف نہیں ہو سکتا۔

پانچویں یہ کہ وہ پکش پاتی ہے۔ دنیا کے ایک خطے کو الہام دے کر باقی سب کو اس نعمت سے محروم کر دیا۔

علاوہ اس کے یہ بات خیال ہی میں نہیں آسکتی کہ وہ پرماتما جو کہ ماں باپ سے بڑھ کر سب پر مہربان ہو اور کسی کو اسکی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتا اس نے آغاز دنیا میں ویدوں کا الہام کر کے دنیا والوں کو تکلیف لا یطاق کیوں دی کیونکہ آغاز دنیا کیوقت انسان بالکل اندھیرے میں تھا۔ آہستہ آہستہ ترقی کے زینے پر پہنچا ہے۔ اگر ویدوں میں فلسفہ منطق سائنس وغیرہ کے جملہ اصول موجود ہیں تو اس زمانے کے لوگ ان اصولوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ان کے لئے وید کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔ جس طرح ہندی کا ابجد خواں اشٹادھیائی کے اصولوں سے کوئی فایدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بعینہ اسی طرح اس زمانے کے لوگ ویدوں سے فایدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس زمانے میں ویدوں کا الہام کیا جانا ایک بے معنی سی بات ہے۔ اگر یہ کہو کہ ویدوں میں وہی تعلیم موجود ہے۔ جو اس زمانے کے لوگوں کی طبائع کے موافق تھی۔ تو پھر ماننا پڑ جاوے گا۔ کہ ترقی یافتہ زمانے میں۔ اس الہام کی ضرورت نہیں رہی۔ اب نیا الہام ضرورت کے مطابق ملنا چاہیئے اور اگر یہ کہو کہ وہ زمانہ ترقی یافتہ تھا۔ اور ترقی کے انتہائی عروج پہ پہنچا ہوا تھا۔ تو لامحالہ یہ ماننا پڑ جاوے گا۔ کہ موجودہ زمانہ تنزل کا زمانہ ہے۔ اب ان علمی باتوں کو سمجھنے کا دماغ ہی باقی نہیں رہا۔ اس لئے موجودہ زمانے کے لئے وید بالکل بیکار ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی کہنا پڑ جاوے گا۔ کہ دنیا میں قانون ارتقا کا کوئی وجود ہی نہیں۔

اور یہ کہ دنیا کے تمام راستباز بانیان مذاہب جھوٹے ہیں۔ کسی میں بھی صداقت کی بو نہیں۔ جس غلط اصول کی بنا پر اتنی خرابیاں لاحق ہوں کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ کہ سری گورو گوبند سنگھ صاحب جیسا مقدس اور صلح کل برگزیدہ انسان اس کے برخلاف آواز نہ اٹھاتا۔ سری گورو مہاراج کا مذکورہ بالا اصول اس کے برخلاف ایک زبردست آواز ہے۔ انہوں نے ویدوں سے علحدگی کی تعلیم اس بنا پر دی ہے۔ تاکہ اس غلط اصول ہی کو نہ ماننا پڑے۔ اور ان کے اپنے مسلک پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ اسی غلط اصول کا نتیجہ ہے۔ کہ سوامی دیانند مدت العمر سری گورو نانک دیو جی مہاراج کی مخالفت پر کمربستہ رہے۔

حالانکہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں جس نے گورو نانک دیوجی مہاراج کو بُرا سمجھا ہو سب ان کی تعریف ہی کرتے رہے اور انہیں اپنا ہی سمجھتے رہے۔ مگر سوامی دیانند جی مہاراج اس کلیے سے بھی مستثنیٰ ہیں۔ انہوں نے دل کھول کر گورو مہاراج کے برخلاف خامہ فرسائی کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

نانک جی کا مدعا تو اچھا تھا لیکن علمیت کچھ بھی نہیں تھی۔ ہاں زبان اس ملک کی جو کہ گاؤں کی ہے اس کو جانتے تھے وید آدی شاستر اور سنسکرت کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اگر جانتے ہوتے تو نربھے لفظ کو نربھو کیوں لکھتے اور اس کی مثال ان کا بنایا سنسکرتی ستوتر ہے۔ چاہتے تھے کہ میں سنسکرت میں بھی قدم رکھوں۔ لیکن بغیر پڑھے سنسکرت کیسے آسکتی ہے۔ ہاں ان گنواروں کے سامنے کہ جنہوں نے کبھی سنسکرت سنی بھی نہیں تھی۔ سنسکرتی بنا کر سنسکرت کے بھی پنڈت بن گئے ہوں گے۔ یہ بات اپنی بڑائی اور شہرت کی خواہش کے بغیر کبھی نہ کرتے۔ ان کو اپنی شہرت کی خواہش ضرور تھی نہیں تو جیسی زبان جانتے تھے کہتے رہتے۔ اور یہ بھی کہہ دیتے کہ میں سنسکرت نہیں پڑھا۔ جب کچھ خود پسندی تھی تو عزت و شہرت کے لئے کچھ دمبھ بھی کیا ہوگا۔ اسی لئے ان کے گرنتھ میں جابجا ویدوں کی مذمت اور تعریف بھی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان سے بھی کوئی وید کے معنے پوچھتا۔ جب نہ آتے تب عزت میں فرق آتا۔ اس لئے پہلے ہی اپنے چیلوں کے سامنے کہیں کہیں ویدوں کے خلاف کہتے تھے۔ اور کہیں کہیں وید کے بارے میں اچھا بھی کہا ہے۔ کیونکہ اگر اچھا نہ کہتے تو لوگ ان کو ناستک بتاتے۔ جیسے

ویدپڑھت برہما مرے چاروں وید کہانی
سنت کی مہما وید نہ جانی سکھ منی پوڑی،
نانک برہم گیانی آپ پرمیشر سکھ منی پوڑی،

کیا وید پڑھنے والے مر گئے۔ اور نانک جی وغیرہ اپنے کو غیر فانی سمجھتے ہیں۔ کیا وے نہیں مر گئے۔ وید تو سب علوم کا مخزن ہے۔ لیکن جو چاروں وید کو کہانی کہے۔ اس کی سب باتیں کہانی ہیں۔ اگر جاہلوں کا نام سنت ہوتا ہے۔ تو وے بیچارے ویدوں کی عظمت کبھی نہیں جان سکتے۔ اگر نانک جی ویدوں ہی کی تعظیم کرتے تو ان کا فرقہ نہ چلتا نہ وے گورو بن سکتے تھے۔ کیونکہ علم سنسکرت تو پڑھے ہی نہیں تھے۔ پھر دوسرے کو پڑھا کر شاگرد کیسے بنا سکتے تھے۔ ستیارتھ پرکاش ۱۱ ص ۴۶۴

نانک جی برہما وغیرہ سے ملے۔ بہت بات چیت کی سب نے ان کی عزت کی۔ نانک جی کی شادی پر بہت سے گھوڑے رتھ ہاتھی۔ سونے چاندی۔ موتی پنہ وغیرہ تھے۔ اور جواہرات سے مرصع سامان اور بیش بہا جواہرات کا تو حد وحساب نہیں ایسا لکھا ہے۔ بھلا یہ گپوڑے نہیں تو کیا ہیں۔ ستیارتھ ص ۴۶۵

قطع نظر اس بات کے کہ مذکورہ بالا اخباروں میں صریحی طور پر گورو نانک دیو جیسے فرشتہ خصلت انسان پر بے جا اور ناروا حملہ کیا گیا ہے۔ اور دانستہ ان کے پاکیزہ خیالات کو ٹھکرانے اور ان کی توہین کرنے کی کوشش کی گئی ہے قابل غور یہ امر ہے۔ کہ وہ آریہ لوگ جو کہ سوامی جی کی ان تحریروں کو سچا مانتے ہیں کبھی سکھ بھائیوں اور ان کے مقدس گورو صاحبان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ اخبارات کا موجودہ پروپیگنڈا صرف سکھوں کو مسلمانوں کے بر خلاف اکسانے اور سکھوں میں اپنا مذہبی اثر جمانے کے لئے ہے۔ اس میں حق اور صداقت کا کوئی دخل نہیں۔ سکھوں کے ساتھ مسلمانوں کے ہمیشہ سے دوستانہ تعلقات چلے آتے ہیں۔ اور مسلمان ہمیشہ گورو صاحبوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ انہیں اپنا ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اس چھوٹے سے مضمون میں گنجائش نہیں ورنہ دکھلاتا کہ گورو صاحبان کی تعلیم ہی وہی ہے۔ جو کہ دراصل اسلام کی تعلیم ہے۔

آریہ اخبارات کا یہ کہنا کہ مسلمانوں نے سکھوں پر ظلم کئے۔ انہیں مارا اور لوٹا کھسوٹا۔ گورو صاحبوں کو شہید کیا۔ حق اور صداقت کے بالکل منافی ہے۔ اور بعینہٖ ایسا ہے۔ جیسا کہ آریہ سماج کے مقتولوں کا افسانہ۔ حالانکہ ان چار مقتولوں میں پہلے مقتول سوامی دیانند سرستی تھے۔ جنہیں ایک ہندو برہمن نے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ پنڈت لیکھرام کے قاتل کا پتہ ہی نہیں ملا کہ ہندو تھا یا کوئی اور۔ پنڈت رام چند اور تلسی رام بھی ہندوؤں ہی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ باوجود اس بات کے کہ یہ مظالم خود ہندوؤں کے ہاتھوں ہوئے۔ مگر نزلہ مسلمانوں پر گرایا جاتا ہے۔ اسی طرح سکھ گورو صاحبوں کی شہادتوں میں بھی انہی دیوتاؤں کا حصہ ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ سکھ بھائیوں کو ان کی مکارانہ چالوں میں نہیں آنا چاہئے۔

رباعی

(از مولوی محمد عصمت اللہ صاحب)

جھگڑا ہے کہیں کہیں لڑائی کا ابال
شورش ہے کہیں کہیں مسلط ہے جدال
شدھی کیلئے ہیں سب پریشاں حال
باجے کا جواب ہو کہ گاؤ کا سوال

تعمیرِ مسجدِ نبوی

از علامہ شبلی مرحوم

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام — تعمیرِ سجدہ گاہِ خدائے انام تھا
ایک قطعۂ زمین تھا اس کام کے لئے — واقع میں ہر لحاظ سے عمدہ مقام تھا
وہ قطعۂ زمین تھا یتیموں کی ملکِ خاص — ہر چند قبرگاہ و گزرگاہِ عام تھا
چاہا حضور نے کہ بہ قیمت خرید لیں — ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا
ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی — یہ چیز ہی کیا ہے کہ جو یہ اہتمام تھا
یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضور — اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا
لیکن حضور نے نہ گوارا کیا اسے — منت کشی سے آپ کو پرہیز تام تھا
احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا — بالکل خلافِ طبعِ رسولِ انام تھا
بارہ ہزار سکۂ رائج کئے عطا — یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا
سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لئے — اب انکی فکر مشغلہ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی — از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
انصارِ پاک اور مہاجر تھے جس قدر — مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفسِ پاک بھی ان سب کا تھا شریک — جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت — سینہ غبارِ خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کے شریکِ حال — یہ خود وجودِ پاک رسولِ انام تھا
جو وجہِ آفرینشِ افلاک و عرش ہے — جس کا کہ جبرئیل بھی ادنےٰ غلام تھا
صلوا علی النبی واصحابہ الکرام — اس نظمِ مختصر کا یہ مسک الختام تھا

حضرت زید ابن حارثہ

(از مولوی محمد عصمت اللہ صاحب)

زید کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ زید بن حارثہ بن شراحیل بن عبد العزی بن زید بن امرؤ القیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ ابن ثور بن کلب بن وبرۃ الکلبی

ان کی والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ بن عبد عامر تھا۔ جو کہ قبیلہ بنی معن بن طے میں سے تھیں۔ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی نے شرح مواہب جلد ثالث میں لکھا ہے۔ کہ زید آٹھ برس کی عمر میں خیل بنی قین کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے اور بازار عکاظ میں آکر فروخت ہوئے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے لئے چار درہم کو خرید لیا۔ اور جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لے کر آزاد کر دیا۔

ابن حجر عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد سوم میں ہشام بن محمد السائب الکلبی کی روایت سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ زید بن حارثہ کی ماں سعدی اپنی قوم کو دیکھنے نکلی۔ زید بھی ان کے ساتھ تھے۔ جاہلیت کا زمانہ تھا۔ ناگاہ بنی قین کا ایک گروہ بنی معن کے گھروں پر حملہ آور ہوا۔ اس حملہ آوری میں زید ان کے ہتھے چڑھ گئے۔ آپ ابھی کمسن بچے ہی تھے۔ مگر پیشانی پر سعادت و نفاست کے آثار نمایاں تھے۔ وہ انہیں بازار عکاظ میں فروخت کرنے کی غرض سے لے آئے۔ اور حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے لئے چار سو درہم کو خرید لیا۔ جب آنحضرت صلعم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ تو حضرت خدیجہ نے زید کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سیرۃ ابن اسحاق میں اس طرح پر لکھا ہے۔ کہ حکیم بن حزام شام سے کچھ غلام لائے۔ جن میں زید بھی شامل تھا جناب خدیجہ ان کے ہاں تشریف لائیں۔ اور اس وقت ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے ہو چکا تھا تو حکیم بن حزام نے جملہ غلاموں کو پیش خدمت کر کے کہا۔ آپ ان میں سے کونسا غلام لینا چاہتی ہیں۔ انہوں نے زید کو خدمتگذار سمجھ کر لے لیا۔ آنحضرت صلعم نے دیکھا۔ تو جناب خدیجہ سے انہیں مانگ لیا۔ اور ان سے لے کر آزاد کر دیا۔

ابن اسحاق کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلعم نے آزاد کرنے کے بعد زید کو اپنا متبنٰی بنا لیا۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ کے وقت جناب خدیجہ سے آنحضرت صلعم کی شادی ہو چکی تھی۔ اور اس پر کچھ زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔ اولاد کی امید تھی۔ مایوسی کی کوئی صورت نہ تھی۔ ایسی حالت میں متبنٰی بنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ دستور عرب کے مطابق متبنٰی تو اس وقت بنایا جاسکتا تھا۔ جب کہ اولاد کی کوئی امید ہی باقی نہ رہے۔ اور عمر بھی اختتام کے قریب آپہنچے۔ اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہ تھی۔ صاحب اصابہ کا

یہ خیال کہ جس وقت زید حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی غلامی میں آئے ابھی آپ کا نکاح بھی آنحضرت صلعم سے نہ ہوا تھا۔ اس بات کی اور بھی تقویت کرتا ہے۔ کہ جب زید بالخصوص آنحضرتؐ کے غلام بنے اس وقت آپ کی شادی کو کچھ زیادہ عرصہ منقضی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ چند دن ہی گذر رہے تھے۔ پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے۔ کہ جس کے نکاح کو ابھی تھوڑے ہی دن گزرے ہوں۔ اور جس کی امیدوں کا باغ ابھی بہار پر آنے لگا ہو۔ وہ ناامیدوں اور مایوسوں کی طرح کسی بچے کو اپنا متبنّیٰ بنا لے۔

بات صرف یہ ہے۔ کہ آپ زید پر بدرجہ کمال مہربان تھے۔ اور ان سے بہت محبت رکھتے تھے جس طرح بزرگ فرط محبت سے چھوٹوں کو بالعموم بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ آپ بھی زید کو بیٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ اس سے بعض راویوں کو غلطی لگی اور کہہ دیا کہ آنحضرت صلعم نے زید کو متبنّیٰ بنا لیا تھا۔ شدہ شدہ یہ بات زبان زد عام ہوگئی اور مورخین نے بے دیکھے بھالے اپنی کتابوں میں درج کردی ورنہ بات بالکل صاف تھی کہ آپ بزرگانہ فرط محبت سے زید کو بیٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ آگے لکھا جائے گا۔ جب زید کا باپ اور چچا اسے فدیہ دے کر چھڑانے اور اپنے ساتھ لے جانے کے لئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔ تو آنحضرت صلعم نے زید کو اختیار دے کر فرمایا تھا۔ اخترنی او اخترھما تیری مرضی مجھے اختیار کر یا ان دونوں کو اس کے جواب میں زید نے عرض کیا تھا۔ ما انا بالذی اختار علیک احدا انت منی بمکان الاب والعم میں آپ پر کسی کو اختیار نہیں کر سکتا آپ بمنزلہ میرے باپ اور چچا کے ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے زید کو متبنّیٰ نہیں بنایا تھا۔ ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ آپ میرے باپ اور چچا کی جگہ ہیں۔ بلکہ یوں کہتا کہ آپ نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا ہے اور اب آپ ہی میرے باپ ہیں۔ آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں جس طرح عام بول چال میں کسی مربی اور محسن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ تو میرے ماں باپ کی جگہ ہیں بعینہ اس طرح زید بھی کہتا ہے کہ آپ تو میرے باپ اور چچا کی جگہ ہیں۔ وہ باپ کے ساتھ چچا کا لفظ استعمال کرتا ہوا آپ کی شفقت بزرگانہ اور احسان و مروت کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کہ زید حضور کا متبنّیٰ تھا۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ عام بول چال کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرط محبت سے زید کو بیٹا کہہ دیا کرتے تھے۔ اور لوگ بھی کبھی کبھی اس کو زید بن حارثہ کی بجائے زید بن محمد کہہ دیتے تھے۔ اور اس سے زید کے متبنّیٰ ہونے کا گمان و شک پیدا ہوتا تھا۔ اس لئے وحی الٰہی نے ان معنی خیز لفظوں میں اس شک کو بھی مٹا دیا ادعوھم لاباھم۔ انہیں ان کے باپوں کا نام لے کر پکارو۔ یعنی زید کو زید ابن محمد مت کہو۔ زید ابن حارثہ کہو۔ اب اس کھلی بات کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے۔ کہ حضور نے زید کو متبنّیٰ بنایا تھا۔

زید کے حالات میں یہ امر کچھ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ بعض متعصب پادریوں اور آریوں نے محض اپنے تعصب کی وجہ سے یہ لکھ دیا کہ زید مذہب عیسوی کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور آنحضرت صلعم اس سے مذہب عیسوی کی باتیں سنا کرتے تھے۔ اور وہ

عیسوی عقاید کے مطابق آپ کے دل کو تسلی دیا کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ نے زید کو متبنیٰ بنایا تھا۔ جیسا کہ سر ولیم میور وغیرہ مولفین نے تحریر کیا ہے کہ خدیجہ کے غلاموں میں زید نام ایک عیسائی غلام تھا۔ اس سے محمد کی بات چیت ہوتی۔ اور وہ عیسوی مذہب کے عقاید کے مطابق محمد کی تسکین کرتا۔ محمد زید سے محبت ہو گئی۔ اور اسے خدیجہ سے لے کر اپنا متبنیٰ کر لیا۔ اس سے بڑھکر سفید جھوٹ اور افترا پردازی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ کہ جس بات کی کوئی اصل ہی نہ ہو اسے ایسی آب و تاب کے ساتھ بیان کر دیا جائے کہ ایک تاریخی واقعہ معلوم ہونے لگے۔ کسی اسلامی تاریخ میں زید یا اس کے باپ حارثہ کا عیسائی ہونا بیان نہیں کیا گیا۔ اور نہ کہیں سے اس بات کا سراغ ہی مل سکتا ہے۔ کہ وہ عیسائی تھے۔ زید آٹھ برس کی عمر میں بنی قین کے ہتھے چڑھ گیا۔ اور انہوں نے اسے بازار عکاظ میں حکیم بن حزام کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام نے تحفۃً جناب خدیجہ کو دے دیا۔ حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم نے لیا۔ آٹھ برس کا بچہ جسے اپنے باپ کی آغوش میں تربیت پانے کا موقعہ بھی نہ ملا ہو کیا سمجھ سکتا ہے۔ کہ مذہب کسے کہتے ہیں مذہب کے حقائق و معارف کا معلوم کر لینا تو بہت بڑی بات ہے۔ وہ تو نام سے بھی پورے طور پر آشنا نہیں ہو سکتا جس کے آغوش تربیت میں پلے گا۔ اسی کے سانچے میں ڈھلے گا۔ اسی کے خیالات اسی کے عادات اسی کے اخلاق میں رنگین ہوگا۔ زید آٹھ برس ہی کی عمر میں گہوارۂ تربیت محمدی میں داخل ہوا اور آپ ہی کے سایۂ تربیت میں پھولا پھلا۔ اس نے جو کچھ سیکھا آپ ہی سے سیکھا۔ عیسائی ہونے اور عیسائی مذہب کے حقائق و معارف سیکھنے کا اسے موقعہ ہی کہاں حاصل ہوا۔ بیچارہ مسیح یا ان کا کوئی حواری نہ تھا۔ جو عالم مکاشفہ میں مذہب کی تعلیم حاصل کر لیتا۔ اور نہ کوئی رشی مہارشی ہی تھا۔ جو کہ پیدا ہوتے ہی ۲۵ برس کا تعلیم یافتہ نوجوان ہو جاتا۔ پھر کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ اس کے متعلق یہ بے اصل فقرہ لکھ دیا جاوے۔ کہ وہ ایک عیسائی غلام تھا۔ اور مذہب عیسوی کے عقائد کے مطابق محمد کی تسکین کرتا تھا۔

اے کاش ان بیراہرو معترضین کی آنکھیں کھلی ہوتیں۔ اور یہ انصاف کی عینک سے حقیقت کو دیکھتے۔

اب رہا زید کا باپ حارثہ سو اس کے متعلق علامہ زرقانی نے ابن فلاہ کی روائت سے یہ تصریح کر دی ہے۔ کہ وہ بھی اسلام لے آیا تھا۔ اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے تو اصابہ میں ان کے حالات بھی لکھے ہیں۔ اور انہیں زمرہ صحابہ میں شامل کیا ہے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ کہ ان حالات کے باوجود انہیں عیسائی لکھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ زید آنحضرت صلعم کو بہت عزیز تھے اور وہ آپ کی خدمت گذاری اور اطاعت و فرمانبرداری کو ذریعہ افتخار سمجھتا۔ اور ایک دم کے لئے آپ کی خدمت سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ بنی کلب کے چند آدمی حج کے لئے مکے میں آئے اور انہوں نے زید کو پہچان لیا۔ گھر جا کر زید کے والد اور چچا کو اطلاع دی۔ وہ دونوں مکے میں آئے۔ اور آنحضرت صلعم کا پتہ دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا کہ آپ مسجد میں ہیں فوراً آپ کے پاس پہنچکر گذارش کی۔ کہ ہم حضور کے غلام زید کی تلاش میں آئے ہیں۔ تاکہ فدیہ دیکر اسے اپنے ہمراہ لے جاویں۔

آپ نے فرمایا اس معاملے میں زید کو اختیار حاصل ہے۔ وہ چاہے میرے پاس رہے۔ چاہے تمہارے ساتھ چلا جائے زید سے پوچھا گیا۔ تو اس نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں آنحضرت صلعم جیسے نبی اور محسن کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ اگرچہ اس وقت زید کو طعنے بھی دیے گئے۔ اور کہا گیا ویحک یا زید اتختار العبودیۃ علی الحریۃ وعلی ابیک وعمک واھل بیتک مگر زید نے کہا۔ قد رایت فی ھذا الرجل شیئاً ما انا بالذی اختار علیہ احداً یعنی میں نے آپ سے ایسے سلوک اور احسان دیکھے ہیں کہ آپ کے بالمقابل کسی دوسرے کو اختیار نہیں کر سکتا۔

زید سابقین اولین میں سے تھے۔ زہری کہتے ہیں ما نعلم ان احداً اسلم قبل زید ابن حارثہ ہم نہیں جانتے۔ کہ زید ابن حارثہ سے پہلے بھی کوئی اسلام لایا ہو یعنی یہی سابق الاسلام ہیں۔ مگر اس روائت میں امام زہری ہی منفرد ہیں۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔ کہ واقدی نے بھی سلیمان بن یسار کی سند سے اس روائت کو لیا ہے۔ اور اس کی توثیق کی ہے۔ اور زائدہ کا بھی یہی خیال ہے۔

زید ابن حارثہ غزوہ بدر اور اس کے مابعد کے غزوات میں شامل ہوئے۔ اور غزوہ موتہ میں شہید کر دیے گئے۔ اور اس وقت آپ ہی امیر العسکر تھے۔ اور آنحضرت صلعم نے انہیں اپنے بعض اسفار میں خلیفہ بھی بنایا۔ اور عقد مواخات کے وقت حضرت حمزہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نے جس سریے میں زید کو بھیجا تو امیر بنا کر بھیجا اور پیچھے باقی رہ گیا۔ تو خلیفہ بنا دیا۔ اس روائت کی سند بھی قوی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی خادمہ ام ایمن سے آپ کا نکاح کر دیا۔ حضرت اسامہ انہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ پھر حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کیا۔ انہیں طلاق دے دی۔ تو ام کلثوم بنت کے ساتھ شادی کر دی

آپ غزوہ محرم میں ۵۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

ہندو دھرم میں عورت کی حیثیت

آفتاب اسلام کے طلوع کے ساتھ ہی اس رات کی صبح ہو چکی جس کے اندر نسل انسانی کا ایک گروہ اپنے جیسی دوسری صنف پر دست تظلم روا رکھتا تھا۔ زمانہ کی ان تاریک گھڑیوں میں کہ جسے عیسویت کی تاریخ میں ازمنہ وسطیٰ middle ages کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک ہی گروہ کے لوگ آپس میں ایک دوسرے پر اس طرح چھا جاتے تھے جس طرح ساکن پانی کی سطح پر کائی اور درخت پر اکاس بیل کہ ان کے زیر دست کو آزادی کا سانس لینا نصیب نہ ہوتا تھا۔ آدم کے فرزندوں کی بدبختی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی۔ کہ انہوں نے جنت ارضی کی اس عظیم المرتبت جنت کو شیطان کی وسوسہ اندازی سے پامال کر دیا۔ اور معمورۂ عالم کی اس حقیقی بہشت کو اپنی سیہ مستیوں اور خود غرضیوں سے سنسان بنا دیا۔ عورت جس کی پیدائش کی غرض ہی یہ تھی کہ آدم کے بیٹے اس کی آغوش محبت میں بیٹھ کر پرورش پائیں۔ اور ان کے قواۓ ذہنیہ اسی مادرِ جنت کی گود میں تبسم ریز ہوں۔ اسی کی زیر ہدائت ان کے دماغ ابتداۓ طفولیت سے علو روحانی کی طرف مائل پرواز ہوں۔ اور اسی کے ساتھ حسن معاشرت سے اخلاق و تہذیبِ نفس کے جذبات تربیت پذیر ہوں۔ اسی صنف لطیف کو انہوں نے مرد کی ایک مملوکہ چیز سمجھ کر اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا اور وہ کہ جس کے آغوشِ محبت میں جنت تھی اور جس کے ساتھ حسن سلوک سے سعادت اخروی کا رشتہ وابستہ تھا۔ اسی کو نجات کی منزل میں سنگِ راہ سمجھ لیا تو راۃ میں ہے کہ مرد کو عورت نے جنت سے نکالا۔ اور مسیح نے اس کی تصدیق کی ہے۔ عورت کی اس لغزش کو اپنے سامنے رکھتے ہوۓ عیسائی دنیا نے ازمنہ وسطیٰ میں عورتوں کو ایسی اشد شدید غلامی کی حالت میں رکھا۔ کہ اس کے تذکرہ سے انسانیت کے جسم پر لرزہ آ جاتا ہے۔ مسیحی مذہب اور ہندو دھرم نے عورت کے وجود کو مرد کی مانند مستقل وجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے وہ بچپن میں اپنے ماں باپ کے ماتحت اور شادی کے بعد خاوند کی غلام اور رنڈاپے میں بیٹے کی چاکر ہو کر رہے۔ اس کو حق نہیں کہ اپنے نام سے خرید و فروخت کرے قانون اس کے شخصی وجود کو تسلیم نہیں کرتا وہ کوئی جائیداد اپنے نام سے الگ نہیں رکھ سکتی۔ اور نہ کوئی مالی معاملہ شوہر کی موجودگی میں اپنے نام سے کر سکتی ہے۔

اسلام دنیا میں آیا تا کہ نسلِ انسانی کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر مظلوم قیدیوں کو ظالموں کے دستِ تظلم سے آزاد کرے اس نے بیشتر عورتوں کی غلامی بھی ایک بہت بڑی غلامی تھی۔ پس اسنے عورتوں کو ان کی چھنی ہوئی آزادی واپس دلائی ان کے وجود کو ایک مستقل وجود تسلیم کیا۔ اور اس کو مرد کی غلامی سے نکال کر اس کے حقوق مساوی قرار دئیے۔ مسٹر باسورتھ سمتھ

مصنف محمد اینڈ محمڈن ازم نے خوب کہا کہ "اگر کسی مذہب کی سچائی پرکھنے کے لئے اس امر کو معیار قرار دیا جائے۔ کہ اس نے اس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں سے کیا رعایت کی۔ غربا و مساکین اور مظلوم لوگوں کیلئے کیا کیا تو محمد کا مذہب بیشک اس آزمایش کی برداشت کرسکتا ہے"۔

ازمنہ قدیم کے علماء مذہبی فلاسفروں اور ہندو رشیوں نے عورت کو سمجھنے کی بہت ہی کم کوشش کی ہے۔ انکے خیالات کی پرواز صرف یہیں تک تھی۔ کہ عورت ایک سراپا چمن، گلزارِ بہار اور بستانِ عیش ہے۔ جہاں مرد تنہائی کی وحشت اور دل کی کلفت دور کرنے کے لئے آسکتا ہے۔ تاہم اس کی خوشبو روحانیت کے لئے سم ہے اسکی نسیم تقدس کے لئے سموم اور اس کا رنگ نجات کے لئے مہلک ہے۔ وہ ایک عالم نکہت آباد ضرور ہے۔ مگر وہ اپنے خاوند کی ملکیت اور مرد کے کامل تصرف کی ایک چیز ہے۔ آریہ ورت کے مرتاض رشیوں کو صحرا کی ریت پہاڑوں کے غار۔ دریاؤں کے کنارے اور جنگلوں کی وادی اسی لئے پسند تھی۔ کہ وہ عورتوں کی آبادی سے دور اور جنسِ لطیف کے وجود سے یکسر خالی تھے۔ سورگ لوک یا عالم بہشت کے رہروؤں نیکی و نجات کے طلبگاروں اور خدا سے ملنے والوں کے لئے نہ صرف رہبانیت اور کامل تجرد ہی ضروری تھا۔ بلکہ اگر سوء اتفاق سے متاہل ہو بھی چکے ہوں تو سنیاس اختیار کرنا اور اس جوتی کو ہمیشہ کے لئے اتار دینا ہی لازم تھا۔ عیسائیت میں اگر عورت نے مرد کو بہشت سے نکالا تھا۔ تو ویدک دھرم نے بھی عورت کے ساتھ رہکر نجات کا حصول ناممکن قرار دے دیا۔ گیا عورت دنیا میں اسی لئے آئی کہ وہ مرد کو بہشت میں داخل ہونے سے روکے یا اس کی نجات کی منزل میں سنگِ راہ ہو کر رہے۔ عالم انسانیت میں عورت کے متعلق یہ ناپاک اور ذلیل خیالات اسوقت تک عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ جب تک دنیا رہبانیت اور سنیاس کے فرضی تقدس کو ٹھکرا کر اسلام کی حلقہ بگوش نہیں ہوتی۔ اسلام کی نگاہ میں عورت اور مرد دونوں مل کر اس جنت کو تیار کرتے ہیں۔ جس کے اندر اعمال صالح کی نہریں بہتی اور ہمیشگی کے باغ لہلہاتے ہیں۔

مقام شکر ہے۔ کہ اب اقوام عالم کے تعلیمیافتہ حلقوں میں مظلوم عورتوں کے حقوق کی طرف توجہ ہو رہی ہے عورتیں بھی مردوں کی صرف نازبرداری سے خوش نہیں ہوتیں اور نہ وہ صرف "دیوی" اور نصف بہتر کے لفظی خطاب کی خواہشمند ہیں وہ زر اور زور کی طالب ہیں۔ اور اپنی حق طلبی کا دعوےٰ عیسائیت اور ہندو مذہب دونوں سے کر رہی ہیں، مرد اور عورت دونوں کے حقوق مساوی ہونے چاہئیں ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف

وللرجال علیھن درجۃ واللہ عزیز حکیم قرآن کریم کا ارشاد ہے باستثنا ، اس طبعی فوقیت کے جو "الرجال قوامون علی النساء" کے لحاظ سے مردوں کو حاصل ہے یعنی ان کو قیام مصالح معیشت کی فوقیت ضرور ہے (عورت کی معاش کا انتظام مردوں کی کمائی پر ہے) عبادات اور معاملات میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں وہ اپنی شخصیت کو باپ اور شوہر سے الگ رکھ سکتی ہے۔ اپنی ملکیت اور جائیداد کو خالص اپنے نام سے رکھ سکتی ہے۔ اور اپنے نام سے ہر طرح کا قانونی معاملہ کر سکتی ہے۔ نسل انسانی کے اس بہترین معلم نے اس وقت جبکہ لڑکی کو منحوس اور ننگ خاندان سمجھا جاتا تھا۔ اس کی نسبت فرمایا "خیر اولادکم البنات" تمہاری بہترین اولاد لڑکیاں ہیں "نعم الولد البنات المخدرات" بہترین اولاد عفیف لڑکیاں ہیں۔ اذ المؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت وہ وقت بھی آنے والا ہے جب زندہ درگور لڑکی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔

ہمارے آریہ دوست باوجود اس کے کہ ان کو یہ علم ہو چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم عورتوں کے حقوق کے بارہ میں بہت ہی بلند واقع ہوئی ہے۔ آئے دن مسلمانوں کے بعض رسم ورواج کی بنا پر اسلام کو مطعون کرتے رہتے ہیں۔ ان کی بصیرت وعبرت کے لئے عورت کے متعلق ویدک دھرم کے چند ایک احکام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

وید جس کی نسبت ہمارے آریہ دوستوں کا یہ دعوےٰ ہے کہ وہ نسل انسانی کی ہدایت وتعلیم کے لئے نہ صرف سب سے پہلی بلکہ ایک ہی کتاب ہے۔ اس میں قدرت کی اس نہایت لطیف صنعت (عورت) کے متعلق ارشاد ہے۔

نَا وَئی اِستریَنیانی سَکھیانی سَنتی
سَالا وَرِکَا نَام ہِردَیان ایتا

"عورتوں کے ساتھ کوئی دوستی نہیں ہو سکتی عورتوں کے دل درحقیقت بھیڑیوں کے بھٹ ہیں"۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۵ منتر ۱۵

ایک اور منتر میں کہا گیا ہے: "اندرہ چِٹ گھاتد ایہ وِیت استریا اشانسیم منہ۔ اُتو آہ کرتم رگھم"۔ اندر داریوں کے ایشور نے خود یہ کہا ہے۔ کہ عورت کا دل ضبط اور قرار سے خالی ہے۔ اور وہ عقل کی میزان میں ایک نہایت ہی ہلکی چیز ہے۔ درگوید منڈل ۸ سوکت ۳۳۔ منتر ۱۷

ان دونوں منتروں سے عورت کے متعلق چار حکم حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) کسی عورت سے مستقل تعلق قایم نہیں ہوسکتا۔

(۲) عورت کا دل ایک دھوکے کی ٹٹی ہے۔

(۳) ہرایک عورت کی عصمت مشتبہ ہے۔

(۴) میزان عقل میں اس کا درجہ صفر ہے۔

یہ ہیں اصولی رنگ میں فطرتِ نسوانی کے اربعہ عناصر جو ویدنے ظاہر کئے ہیں۔اب ان چار اجزا سے مرکب اس انسان ناوجود کے لئے جو دھرم شاستر مدون کیا جائے گا۔اس کی دفعات کی نوعیت کا اندازہ ایک ذی ہوش مقنن بہتر طور پر کرسکتا ہے۔ویدوشاستر پر سرسری نظر دوڑانے سے ویدک دھرم میں عورت کی حیثیت پر جو دفعات ہمیں ملتی ہیں وہ ہم ساری کی ساری تو بوجہ قلتِ گنجائش یہاں درج نہیں کرسکتے البتہ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ہندو قانون میں عورت کا درجہ

ویدک دھرم کی رو سے عورت کی حیثیت مالک کی نہیں ،بلکہ مملوکہ کی ہے۔مالک اور مملوک میں فرق صرف یہ ہے۔کہ مالک جو کچھ کماتا ہے۔وہ اس کا مال کہلاتا ہے اور اس پر اس کو کلی اختیار ہوتا ہے لیکن مملوک جو کچھ کماتا ہے۔وہ اس کے مالک کا مال ہے۔مثلاً انسان جو کچھ کماتا ہے۔وہ اس کا مال ہے۔لیکن گھوڑا جو کچھ کماتا ہے۔وہ اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک کا مال ہے۔ہمارے اس دعوے کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) عورت جو کچھ کماتی ہے۔وہ اس کے خاوند کا مال ہے۔اس لئے عورت اور شودر کو دھرم شاستر میں نردھن کہا گیا ہے۔(دیکھو منو ادھیار ۸ شلوک ۴۱۶ ۹/۱۹۹ یجرید ۸/۵)

(۲) لڑکی باپ کی جائداد کی وارث نہیں (اتھروید ۱۷/۱ ایجر ۸/۵ نروکت ۳/۴ منو ادھیار ۹ شتپتھ برہمن کانڈ ۴ ادھیار ۴ برہمن ۲ کنڈ کا ۱۳ وغیرہ)

(۳) آریہ ورت میں کبھی کسی عورت نے اپنے خاوند سے ورثہ میں حکومت کو حاصل نہیں کیا۔

(۴) اگر کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی طرف سے جائداد ملتی ہے۔تو اس کو اس جائیداد کی بیع و فروخت کا اختیار نہیں۔

(۵) لڑکی کی شادی کو کنیا دان یا لڑکی کو خیرات کرنا کہا جاتا ہے۔دان مملوکہ چیز کا ہوتا ہے۔مالک کا نہیں۔

(۶) اولاد ذکور کے نہ ہوتے ہوئے بھی لڑکی وارث نہیں بلکہ متبنیٰ جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے۔وہ وارث ہوتا ہے۔(منو ادھیار ۹ اور رضر ورتِ نیوگ)

(۷) عورت کے فروخت کرنے کا جواز (نروکت ۳/۴)

(۸) لڑکی ہونے کی حالت میں ماں باپ کے جوان ہوکر خاوند کے اور ماں ہوکر بیٹے کے ماتحت رہے (منو ۹/۳)
(۹) جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں۔ ان کی شادی ناجائز کیونکہ ان کی اولاد باپ کی طرف نہیں بلکہ نانا کی طرف منسوب ہوگی (اتھروید ۱/۱۷ انروکت ۳/۴ رگوید ۵/۴)
(۱۰) نکاح ثانی کی ممانعت ہے۔ کیونکہ ایک کی جائیداد بلا وجہ دوسرے کے قبضہ میں اپنی مرضی سے نہیں جا سکتی۔
(۱۱) خلع کی ممانعت۔ یعنی خاوند خواہ کیسا ہی ظالم کیوں نہ ہو۔ مگر عورت کو اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ مالک کو اپنی مملوکہ پر اختیار کلی حاصل ہے
(۱۲) ایک اعلیٰ ذات کا مرد ادنیٰ ذات کی کئی عورتوں سے شادی کر سکتا ہے لیکن کوئی اعلیٰ ذات کی عورت قانوناً ادنیٰ ذات کے مرد سے شادی نہیں کر سکتی۔ اگر کرے تو شادی اور اولاد دونوں ناجائز نہ عورت خرچ لے سکتی ہے۔ نہ اولاد ورثہ
(۱۳) ماں باپ کے فوت ہو جانے پر لڑکی بھائی کے ماتحت رہے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔
(۱۴) لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکا پیدا کرنے کے لئے نیوگ کا حکم ہے۔ (ستیارتھ پرکاش مضمون نیوگ اور منوسمرتی)
(۱۵) ویدوں اور شاستروں میں شوہر کے لئے پتی اور بیوی کے لئے پتنی اور بھاریا وغیرہ الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ مرد مالک عورت مملوکہ اور بوجھ ہے۔
(۱۶) بیٹے کے لئے سنسکرت میں پتر اور بیٹی کے لئے دہتر ہے۔ پتر کے معنے "یہ پناتی پہ نرا پتے سہ پتراہ" جو پاک کرتا ہے باپ دادوں کو روحانی قرضہ سے۔ جو بچاتا ہے۔ نرک سے وہ پتر ہے۔ وغیرہ وغیرہ دیکھو نرکت ۲/۱۱ منو ۹/۱۳۵ دہتر کے معنے دور ڈال دی گئی۔ دفع کر دی گئی۔
(۱۷) ایتریا برہمن ۳/۳۳ میں لکھا ہے۔

یا دنتہ پرتھویام بھوگا یا دنتو جات ویدسی
یا دنتو اپسو پرانینام بھویان پتر تپستہ۔

زمین آسمان اور ان دونوں کے درمیان یعنی عالم برزخ میں جتنے عیش و راحت کے سامان انسان کے لئے ہوسکتے ہیں۔ اس سے بہت زیادہ بیٹے میں باپ کے لئے ہوتے ہیں"۔
کیا کہیں ویدک لٹریچر میں عورت اور لڑکی کے متعلق بھی اس قسم کا کوئی حوالہ مل سکتا ہے اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو اپنی توجہ اس طرف مبذول کرنی چاہیئے۔

عورت کے متعلق مذہبی قوانین!

(۱) ویدک دھرم میں عورت اور مرد دونوں کے لئے نجات کے علیحدہ علیحدہ راستے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے راستے پر چل کر یا ایک ہی راہ پر دونوں چل کر نجات کو حاصل نہیں کر سکتے مرد اپنے زور بازو سے مکتی مارگ (نجات کے رستے) کو پکڑ سکتا ہے لیکن عورت کی نجات خاوند پر مرنے سے ہو سکتی ہے۔ وہ براہ راست مکتی کو حاصل نہیں کر سکتی اس کی تمام تر عبادات پتی سیوا (خاوند کی خدمت) ہے۔ دیکھو منو $\frac{1}{67}$

(۲) ویدک رشیوں نے جب کبھی اور جہاں کہیں بھی لاکھوں روپے کے خرچ اور خیرات سے یگیہ تپ اور دعائیں کیں وہ سب بیٹوں کے لئے کیں کبھی بیٹی کے لئے نہیں کیں کیا لڑکیوں کی ملک میں ضرورت نہ تھی۔ دیکھو یجر وید $\frac{9}{10}$ $\frac{3}{5}$ $\frac{3}{22}$ $\frac{12}{51}$ وغیرہ

(۳) باپ دادوں کا روحانی قرضہ (پتری رن) بیٹا ہی اتارتا ہے

(۴) بیٹا ہی باپ دادوں کو دوزخ سے بچاتا ہے۔ نہ کہ بیٹی (منو $\frac{9}{135}$ نروکت $\frac{2}{11}$)

(۵) دس دس بیٹوں کے لئے دید نے دعائیں سکھائی ہیں (دیکھو یجر وید) ایک لڑکی کے لئے بھی تو کوئی دعا سکھائی ہوتی

(۶) عورتوں کے لئے تعلیم کی ممانعت منو میں صاف ہے وید میں اس کے لئے کوئی حکم نہیں۔ منو $\frac{9}{18}$ وغیرہ

(۷) صغر سنی میں شادی کرنا دھرم شاستر کا قانون اور حکم ہے۔ (دیکھو منو $\frac{9}{4}$ $\frac{9}{94}$)

(۸) آریہ ورت میں لکھو کھا عورتیں اپنے خاوندوں کی نعش پر پروانہ وار ستی ہوئیں۔ لیکن کیا کبھی کوئی مرد بھی اپنی بیوی پر ستی ہوا۔

(۹) دھرم شاستروں میں ستی عورت کی عزت زندہ رہنے والی بیوہ سے بدرجہا افضل خیال کی گئی ہے۔

(۱۰) عورت کی عصمت (پاکیزگی) کے متعلق دھرم شاستروں برہمن گرنتھوں اور ویدوں کا کیا خیال ہے اس کے لئے مواد (میار) ۹ شتپتھ برہمن رگوید اور یجر وید کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ بعد کے لٹریچر میں بھرتری کا ہری شتک اور یوگ وششٹ بھی قابل دید ہیں جن کے اندر عورت کو بدترین خلائق قرار دیا گیا ہے۔

(۱۱) اس بیسویں صدی کے ریفارمر سوامی دیانند نے ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب کو گالیاں دینے کے لئے مستقل باب کے باب لکھے۔ مگر دختر کشی اور ستی کی وحشیانہ رسم کے خلاف کچھ نہ لکھا۔ حالانکہ ان کے زمانہ میں یہ تحریک زوروں پر تھی۔

(۱۲) شادی کے لئے عورتوں کی شکل چال ڈھال ہر ایک کی جانچ پڑتال دھرم شاستر نے سکھائی۔ لیکن لڑکوں

کی جانچ پڑتال کا ذکر نہیں کیا۔ دیکھو منو سمرتی۔

(۱۳) نجات اور سنیاس کے لئے عورتوں سے علحدگی کی کیوں ضرورت ہے۔ کیا وہ اس حصول کے لئے ردک ہیں

(۱۴) مردوں کے لئے اتھروید نے قوت اور طاقت کے لئے عجیب و غریب نسخے ٹوٹکے اور منتر سکھائے۔ مگر عورتوں کی قوت اور طاقت کے لئے کوئی نسخہ اور ٹوٹکا تجویز نہ کیا۔

(۱۵) مہابھارت سے پہلے زمانہ میں اور ویدک دھرم کی بعض شاخوں میں جن کا ذکر اقوام ہند کے تذکروں میں ہمیں ملتا ہے۔ اور رسم نیوگ کی بنا پر اب بھی عورت مشترکہ ملوکہ چیز معلوم ہوتی ہے۔

یہ ہے ویدک دھرم میں عورت کی حیثیت کہ جس پر ہم آیندہ ہر ایک عنوان کے ماتحت مفصل بحث کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ تو سرسری طور پر اس مضمون کا استفضا تھا۔

قطعہ

(از پنڈت ہری چند صاحب اختر ایم۔ اے)

(خاص برائے "بصیرت")

تھا ازل سے نور حق دل میں نہاں
جب سے میں جوئندہ ہوں یابندہ ہوں
لے چلی آخر قضا۔ جانا پڑا
کیا کروں مُردہ بدست زندہ ہوں

کیمیاوی باورچی خانہ

از

(ڈاکٹر قاسم علی منصوری صاحب)

بدقسمتی سے اب تک یہ معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ انسانی جسم کن کن عناصر سے بنا ہے۔ اور حصص جو بوسیدہ ہوتے رہتے ہیں ان کی مرمت کے لئے کیا کیا چیزیں درکار ہیں۔ اگر یہ معلوم ہوجائے تو غذا صرف ایسی ہو جس ہیں وہ ضروری اشیاء شامل ہوں جن کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے۔

مختلف کاموں سے جسم کے مختلف حصص پر اثر پڑتا ہے۔ مثلاً سوچنے اور فکر کرنے سے دماغ پر غم اور غصہ سے اعصاب پر بوجھ اٹھانے اور اسی قسم کے دیگر کاموں سے گوشت اور پوست پر آرام لینے اور تفریح کے کاموں سے دل پر جسم کے ان مختلف حصوں کی ساخت مختلف چیزوں سے ہے۔ پس دن بھر کی محنت کے بعد جن اشیا کی جسم کو ضرورت پڑے گی وہ ان کاموں پر منحصر ہوں گی۔ جو دن بھر میں کئے گئے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے جسم کے مختلف حصوں کو مرمت کی ضرورت لاحق ہوگئی ہے۔

اگر غذا میں وہ تمام اشیا شامل ہوں۔ جن سے جسم بنا ہے۔ تو ان میں سے وہ حصے تو جسم جذب کرے گا جن کی مختلف کاموں کی وجہ سے جسم کے مختلف حصوں کو ضرورت ہوگی۔ اور باقی کو خارج کردے گا۔ غذا کے بقیہ کو خارج کرنا خود جسم کے لئے ایک بڑا کام ہے۔ بہت سے امراض غیر ضروری غذا آنتوں میں باقی رہ جانے اور وہاں گلنے سڑنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کسی طرح سے یہ معلوم ہوجائے کہ دن بھر کے مختلف کاموں سے جسم کے کون کون سے حصے کس قدر منتشر ہوئے ہیں۔ اور ان کو اپنی اصلی حالت میں لانے کے لئے کن کن اشیاء کی کس کس مقدار میں ضرورت ہے۔ تو انسان ویسی ہی غذا کھائے جو تقریباً تمام جذب ہو جائے اور بہت کم فضلہ خارج کرنے کی ضرورت پڑے۔ مگر انسانی علم اس مسئلہ کے بارے میں بہت ہی کم ہے۔ ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہوسکا ہے کہ انسان کے لئے بہترین غذا ہے کیا۔

عام ڈاکٹروں کا یہ خیال ہے کہ غذا میں پروٹین۔ کاربوہائڈریٹ۔ نمک اور پانی مناسب تناسب سے ہونے چاہئیں۔ زندہ مادہ کی ساخت میں ستر سے نوّے فی صدی تک پانی ہوتا ہے اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ہوا کی آکسیجن گاس از بس ضروری ہے جسم کا کوئی حصہ نہیں جس کی ساخت میں آکسیجن موجود نہ ہو آکسیجن گاس سانس کے ذریعہ ہر لمحہ جسم میں داخل ہوتی رہتی ہر

اور خون میں حل کر جسم کے ہر حصے میں پہنچ جاتی ہے۔ اور وہاں کے سیل کھیل کو کاربن ڈائی آکسائڈ میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جو سانس کے ذریعہ خارج ہوتی رہتی ہے اسی طرح پانی اوّل ٹھوس غذا کے حل اور ہضم میں مدد کرتا ہے اور پھر خون میں ملکر تیزابی مادّوں اور دیگر کثافتی مادّوں کو اپنے میں حل کرلیتا ہے۔ اور پیشاب و پسینہ کے راستے سب کو لے کر باہر نکل جاتا ہے

غذا کے یہ دو بڑے جز جن کے بغیر زندگی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔ قدرت نے مفت مہیا کر رکھے ہیں۔ اور جو شخص جتنا چاہے۔ صرف کر سکتا ہے۔ ان کے بعد غذا کے ٹھوس اجزا ہیں جو اصلی غذا کہلاتے ہیں جسم کی ساخت کے لئے بہت زیادہ مقدار میں ان کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ اجزا معدے میں کچھ مدت تک نہ بھی پہنچیں اور صرف صاف ہوا اور پانی میسر آسکیں تو انسان چند روز زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن زندگی قائم رکھنے کے لئے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پروٹین کاربوہائیڈریٹ اور نمکوں کی بھی مناسب مقدار میں جسم کو ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ اور ہماری غذا کا ایسی اشیا لازمًا جز ہونی چاہئیں۔

مفصلہ ذیل پروٹین عام طور پر ہماری غذا میں موجود ہوتے ہیں۔

دودھ کا سفید حصہ۔ دالیں اور دیگر قسم کی دانہ دار غذائیں اور کاربوہائڈریٹ میں سے روٹی۔ چاول۔ شکر۔ آلو اور اسی قسم کی نشاستہ والی اشیا ہم روزمرّہ کھاتے ہیں۔ البتہ بہت کم اشخاص نمکوں کی ضرورت سے واقف ہیں اور غذا میں ان کا ہونا ضروری نہیں سمجھتے۔ جسم کے تمام نمکوں میں سے پچھتر فی صدی حصہ کیلسیم یعنی چونے کی دھات کا ہے تمام ہڈیاں عمومًا اسی کی بنی ہیں اور کیلسیم فاسفیٹ جسم کے ہر حصہ کی ساخت میں کم وبیش موجود ہے۔ خون کے سفید ذرات کی زندگی قائم رکھنے کے لئے اور چربی کی ساخت میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بچوں کے نشوونما کے زمانہ میں اور زچہ گیری کے وقت جسم کو اس کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔

سوڈیم یعنی کھانے کے نمک کی دھات جھلیوں کی ساخت میں موجود ہے۔ اور جسم اس دھات کی مدد سے ہی پروٹین کو جذب کرتا ہے۔ تندرست آدمی کے جسم میں ایک سو رتی کے قریب سوڈیم ہوتی ہے۔

پوٹاسیم جسم کے ہر زندہ ذرہ کا جز ہے۔ خصوصًا خون اور پٹھوں کے ذروں کا۔

لوہا خون کے سرخ ذرات کی ساخت میں موجود ہے۔ اور اسی کے ذریعہ جذب ہو کر آکسیجن گاس جسم کے ہر حصہ میں پہنچتی ہے۔

منگنیز بھی لوہے کی طرح ہے۔ اور زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

فاسفورس ہر اس جگہ موجود ہوتی ہے۔ جہاں نشوونما سرعت سے ہو رہی ہو ہر ذرہ کے مرکز میں خون کے ہر ایک

سفید ذرہ میں پروٹین کے ذروں میں۔ جھلیوں۔ اعصاب اور ہڈیوں کی ساخت میں دماغ اور فوطوں کی ساخت میں فاسفورس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ کیونکہ تمام ذہنی کاموں اور تناسل کے مرکز یہی دو ہیں۔ ڈاکٹر بوچارڈ کا یہ بیان ہے۔ کہ بغیر فاسفورس جسم کا ایک ذرہ بھی نہیں بن سکتا۔ اور نہ قائم رہ سکتا ہے۔ نیز بی مادوں کی زیادتی جو خراب غذا کام کی کثرت اور ناکافی ہوا میں سانس لینے سے پیدا ہوتی ہے۔ فاسفورس کی مقدار کو جسم میں جلد ہی کم کر دیتی ہے۔

حال ہی میں یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ غذا خواہ کسی قسم کی بھی کیوں نہ ہو وہ جزو بدن خود بخود نہیں ہو سکتی۔ جب تک اس میں ایک خاص قسم کی کیمیاوی تبدیلی نہ ہو اس سے خون نہیں بن سکتا۔ غذا سے خون بننے تک کئی کیمیاوی عمل ہوتے ہیں۔ جن کے لئے معدہ اور آنتوں کی رطوبتیں کام کرتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر کیسیمیر فنک نے معلوم کیا ہے۔ کہ دو قسم کی زندہ اشیا کیمیاوی عمل کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ ایک تو وٹامین۔ انزائم اور فرمنٹس جو غذا کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے ہارمونس جو جسم میں موجود ہیں۔ ان زندہ اشیا کے بغیر کیمیاوی عمل مکمل نہیں ہو سکتے تھے۔ اور غذا جزو بدن نہیں ہو سکتی

غذاؤں میں وٹامین کی موجودگی پر آج کل بہت زور دیا جا رہا ہے۔ یہ زندگی کی بنیاد دراصل نباتات میں ہوتی ہیں اور نباتات کو کھا کر حیوانات بھی اپنے جسموں میں ان کو پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی بڑی قسمیں معلوم ہو چکی ہیں۔ اور ابھی اور دریافتیں ہو رہی ہیں۔

وٹامین "ا" یہ زیادہ تر مکھن۔ بالائی۔ اور حیواناتی چربی میں ہوتی ہے لیکن سور کی چربی میں نہیں اور کم مقدار میں دودھ انڈے۔ گوبھی۔ گاجر وغیرہ میں بھی پائی ہے۔ یہ چربی میں حل ہو سکتی ہے۔ اور کاڈ لور آئل میں بھی موجود ہے۔

وٹامین "ب" یہ پانی میں حل ہو سکتی ہے۔ اور انڈے گیہوں۔ خمیر اور زیادہ تر جگر۔ دماغ مکئی دال اور باداموں میں ہوتی ہے۔ اور دُبلے گوشت۔ چاول۔ دودھ۔ ساگ۔ آلو سیب اور لیموں میں بھی پائی جاتی ہے۔

وٹامین "ج" زیادہ تر گوبھی شلجم۔ لیموں۔ نارنگی۔ لوبیا۔ اور ٹماٹر میں ہوتی ہے۔ انزائم اور خمیر بھی زندہ چیزیں ہیں۔ جو غذا کے ساتھ ملی رہتی ہیں۔ اور جسم کے اندر بھی پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ان کا عمل حل کرنا یا برقی ذریعہ سے حل ہونے کے قابل بنانا یا کیمیاوی عمل کے قابل کرنا ہے۔ یہ چکنی اشیا مثل چربی۔ پرائین اور گلائی کو جن کو سادہ مرکبات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ اور آکسیجن گاس سے ترکیب دے کر امینو ایسڈ بناتی ہیں۔ ان کے ذریعہ پرائین ٹوٹ ٹوٹ کر سادہ شکلیں اختیار کر لیتی ہیں جو آکسیجن گاس سے ترکیب کھا کر اس قابل ہو جاتی ہیں۔ کہ خون کے ذرات میں جذب ہو سکیں انزائم تمام غذاؤں میں ہوتے ہیں جو معدہ میں جا کر غذا کو معدے کی رطوبتوں میں حل کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد آنتوں کے انزائم غذا کو جذب ہونے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ٹی۔ جی ریڈ نے انزائم کے عمل کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے۔ گیہوں میں منجملہ پراٹین کاربوہائڈریٹ مثل نشاستہ و چکنائی اور دیگر اشیا مفصلہ ذیل انزائم بھی ہوتے ہیں۔

کری لین۔ اس سے پراٹین حل ہونے والے پپٹوں میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

امی لیس۔ اس سے نشاستہ شکر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

سلولیس۔ اس سے سلولوس شکر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

اور **ایک چکناہٹ کو حل کرنے والی انزائم** یہ چکناہٹ کو املشن بنادیتی ہے۔ اسی طرح دودھ میں جو پراٹین ہوتی ہیں وہ بمدد اپنے انزائم آسانی سے جذب ہوسکتی ہیں۔ اور بہ نسبت نباتاتی پروٹین زیادہ گوشت بناتی ہیں۔

جو رطوبتیں جسم کے اندر پیدا ہوتی ہیں اور غذا کے جذب اور جسم کی نشوونما میں مدد دیتی ہیں وہ مفصل ذیل ہیں:

تھائی مس گلینڈ۔ جو تمام لمپھوائڈ ساخت کی چیزوں کی بنیاد ہے۔ اس سے مادہ تولید پیدا ہوتا ہے۔

تھائی رائڈ گلینڈ سے ایک رطوبت پیدا ہوتی ہے۔ جو نشوونما اور جذب غذا میں مدد کرتی ہے۔ یہ رطوبت اڈرینال گلینڈس کے فعل کو تیز کردیتی ہے۔ جس کے ذریعہ زیادہ آکسیجن جذب ہوتی ہے۔ اور نمو میں قوت آجاتی ہے۔

پیرا تھائی رائڈ گلینڈ جسم میں کیلسیم کی مقدار کو صحیح پیمانہ پر تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

پٹوٹری باڈی کا تعلق اعضائے تناسل اور اعصاب سے ہے اس وجہ سے بچوں کی نشوونما اور دودھ بنانے میں اس کا بڑا ہاتھ ہے۔

پنکری آس سے ایک قسم کا خمیر پیدا ہوتا ہے۔ جو کاربوہائڈریٹ اور پراٹین میں کیمیائی عمل پیدا کرتا ہے جس کے بعد جھلیوں میں جذب شروع ہوتا ہے۔

آنتوں کی رطوبتیں اور خمیر جو جگر پیدا کرتا ہے ابتدائی ہاضمہ میں مدد کرتے ہیں۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جسم کا ہر ایک حصہ خواہ وہ گوشت کا ہو یا پوست کا ہڈی کا بنا ہو۔ یا بھیجے کا سب کوئی نہ کوئی رطوبت ضرور پیدا کرتا ہے جس پر جذب غذا اور زندگی کا دارومدار ہے۔

غذا کے وٹامین۔ انزائم اور خمیر اور جسم کے اندر پیدا شدہ اسی قسم کی رطوبتیں ساخت اور عمل میں یکساں ہیں۔ دونوں غذا کے جذب عمل میں مدد کرتی ہیں۔ تجربہ سے یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ وٹامین "انزائم کی قسم کی ایک چیز ہے۔ اور وٹامین اور ہارمون حیوانی، ہر دو ساخت میں یکساں ہیں اور بہت کم مقدار میں کیمیاوی عمل کے لئے کافی ہیں جو بیماریاں وٹامین کی کمی سے ہوتی ہیں ویسی ہی جسم کے اندرونی اعضا جو ہارمون پیدا کرتے۔ ان کے خراب ہو جانے سے ہوجاتی ہیں۔ ڈاکٹر

کارسن نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ وٹامین کی کمی سے اڈری نال بڑھ جاتی ہے۔ اور دیگر انڈوکرائن گلینڈ اپنا فعل چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح ہارمون پیدا کرنے والے اعضا بھی ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور جب ایک خراب ہوتا ہے۔ تو دوسرا بھی مجروح ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر سب کا اثر عضلئے تناسل اور اعصاب پر پڑتا ہے۔

نمک اندرونی رطوبتوں کی پیدایش میں بہت مدد کرتے ہیں مثلاً کیلسیم سے بہت سے اینڈوکرائن گلینڈ مثل تھائی مس۔ پیراتھائی رائڈ اور سوپرانل گلینڈ متاثر ہوتے ہیں۔ سوڈیم کلورائڈ یعنی کھانے کے نمک سے پیاس عمل تیز ہو جاتا ہے۔ اور ڈاکٹر بنگ صاحب نے تجربہ کر کے ثابت کر دیا ہے۔ کہ جب تک کھانے کا نمک موجود نہ ہو ٹیالن بے حس رہتا ہے۔ اور نمک کے ہلکے سے محلول سے بھی انزائم کے عمل میں فرق پڑ جاتا ہے۔

پس جذب غذا کا مسئلہ ایک نہایت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ ہے جس میں بیسیوں اجزا زندہ اور مردہ غذا میں ملے ہوئے اور جسم کے اندر پیدا شدہ تمام مل کر کام کرتے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے اور کس قسم کے پیچیدہ کیمیاوی عملوں کے بعد غذا کو خون کی شکلوں میں تبدیل کرتے ہیں۔

صدیوں کی چھان بین کے بعد بھی ابھی انسانی عقل زندگی کے اس ابتدائی مسئلہ کو حل نہیں کر سکی ہے کہ تھوڑی تھوڑی مقدار میں اشیا کس طرح ایک دوسرے کے کیمیاوی عمل میں مدد کرتی ہیں۔ اور صرف چند رتی نمکوں۔ وٹامین۔ انزائم۔ خمیر اور ہارمون اور نہ معلوم دیگر اور اسی قسم کی کتنی اشیا پر خون کی ساخت کا دارومدار ہے یہی وجہ ہے کہ صرف مرغ پلاؤ کھا لینے سے طاقت نہیں آسکتی۔ بلکہ اصلی طاقت اسی حصہ غذا میں ہے۔ جو جذب ہو کر خون بن جائے۔ اور خون بننے کا انحصار نہ صرف غذا بلکہ مذکورہ بالا اور بیسیوں چیزوں پر ہے۔ جو مختلف قسم کی تازہ غذاؤں میں نہائت قلیل مقدار میں موجود ہوتی ہیں۔ اور جن میں سے بعض کو تندرست جسم کے بعض حصے ہر وقت بناتے رہتے ہیں۔

وٹامین اور انزائم وغیرہ کی موجودگی کے علاوہ غذا کا تازہ ہونا ایک اور وجہ سے بھی ضروری ہے۔ حال میں اس مسئلہ پر بھی بہت سے تجربے ہو رہے ہیں۔

(ماخوذ) (باقی دارد)

"بصیرت"

(خاص "بصیرت" کے لئے)

(از جناب شیخ رشید احمد شوؔد فاروقی شاہ آباد ضلع کرنال)

رسول اللہ کا ہو دستِ شفقت اور مرا سر ہو
ہجومِ شوق کی یا رب کبھی تو یہ مہم سر ہو

مجھے قندیل مرکز کر محیط آبادِ امکاں کا
مرے دیدار سے چشمِ جہاتِ ستہ ششدر ہو

مرا رنگِ خموشی پردہ در ہو سوزِ پنہاں کا
سکونِ ظاہری اندازۂ تحریک مضمر ہو

مرے عشقِ مجازی کو حقیقت آشنا کر دے
فریبِ غمزۂ باطل ترے کوچے کا رہبر ہو

بصیرت ہو براوجِ ارتقا عشقِ محمدؐ میں
سوادِ چشمِ جاں پر تو پذیرِ روئے انور ہو

چمک اٹھے سراسر صیقلِ ذوقِ عبادت سے
جبیں ہو آئینہ جس میں نشانِ سجدہ جوہر ہو

دبے تاثیرِ باطل صنعطۂ وحدت پرستی میں
مری اللہ اکبر کفر کی چھاتی کا پتھر ہو

گرا نجانوں کو کر مدہوش صہبائے سبکروحی
نبیؐ کے عاشقوں کی آج یا رب کل سی بہتر ہو

"بصیرت" کے مطالب میں ہو توفیقِ خدا شامل
اشاعت اس کی وجہِ نشرِ احکامِ پیمبر ہو

"بصیرت" کے مقاصد کو ہو امدادِ خدا حاصل
صحیفے کی غرض بہتر ہو اور بہتر سے بہتر ہو

مثالِ گرد بر دوشِ ہوا یثرب میں جا پہنچے
خداوندا جو لاغر ہو تو شوؔد ایسا تو لاغر ہو

عورت ماں کی حیثیت میں

(از ڈاکٹر بسنی بسینٹ)

عورت نے نوع انسان کی ترقی میں مختلف حیثیتوں سے حصہ لیا ہے۔ اس نے بطور باندی کے۔ اور کہیں بطور مزدور کے مرد کے پہلو بہ پہلو دشوار سے دشوار کام انجام دیا۔ اور کم سے کم معاوضہ حاصل کیا۔ تاریخ عالم اس کو ملکہ دلیر سپاہی۔ شاعر۔ ناول لسٹ مغنیہ کی حیثیت میں پیش کرتی ہے۔ اور دور جدید میں تو وہ علمی میدان میں بھی مرد کے دوش بدوش کھڑی نظر آتی ہے۔ پھر ایک محبت کرنے والی وفاشعار بیوی اور رفیق اور تمام زندگی کا ساتھ دینے والی لیکن عورت کی تخلیق کا سب سے بڑا مقصد جس پر گھروں کی بنیاد قایم ہے۔ اور جس کے بغیر دنیا میں نوع انسان کی بقا جیات ناممکن تھی۔ عورت کا مادرانہ فرض ہے۔ منو کا قول ہر ہمیشہ اور ہر زمانہ میں صحیح رہے گا۔ کہ خدا نے عورتوں کو ماں بننے کے لئے بنایا۔ اور مردوں کو باپ۔ ماں بننے کے لئے اس کے جسم کی نوعی تخلیق جدا کی گئی۔

عورت کو قدرت نے بچہ کو غذا دینے کا اہل بنایا۔ اور مرد کو محافظت کرنے کے لئے۔ اس لئے عورت میں غدودی عناصر زیادہ ہیں۔ اور مرد میں عضلاتی غدودی عنصر حیات اور جذبات کے لئے ہے۔ اور عضلاتی عنصر قوت اور مستعدی و عمل کے لئے یہ عورت کی مادرانہ حیثیت تھی جس سے قوموں نے اس کو دیوی کے لقب سے ممتاز کیا۔ پرانے مشرقی گھرانے میں سب سے زیادہ معمر ماں کو سب پر عزت اور فوقیت حاصل تھی۔ وہ مردوں پر حکومت کرتی تھی اور اس کا حکم آخری تھا۔

ہندوستان میں پردہ کی رسم جو گزشتہ چند صدیوں سے رائج ہے۔ اس نے عورت کے دائرہ نظر کو محدود کر دیا ہے۔ اور ملکی معاملات میں اس کی کوئی رائے نہیں رہی لیکن معاشرتی معاملات میں جن کا تعلق گھریلو زندگی سے ہے اس کی رائے اب بھی وقیع ہے۔ مذہبی حیثیت سے وہ بہت زیادہ پابند اور رسم پرست ہے لیکن مذہبی اعتقادوں میں وہ زیادہ عقل اور فلسفہ کی قائل نہیں۔ وہ سچی عبادت گذار ہے لیکن وہ ولی یا پیر کا درجہ بہت ہی کم حاصل کرتی ہے۔ صدیوں سے اس نے سیاسی یا ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا سوائے ان چند کے جو شاہی گھرانوں میں پیدا ہوئیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ بہت زیادہ عملی ہے۔ اور جو کچھ وہ سیکھتی ہے۔ اس کو عمل میں بھی لاتی ہے۔ نہایت تیزی کے ساتھ اس میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ اپنا کھویا ہوا وقار اور عزت واپس لینا چاہتی ہے۔ اس نے معاشرتی اصلاحات کے لئے بھی آواز بلند

کی ہے۔ صغر سنی کی شادی کا انسداد، بچیوں کی تعلیم، تحریک حفظ الاطفال، یہ تحریکات اس وقت تک ملک میں رائج نہیں ہونگی۔ جب تک عورتیں ان کے لئے جدوجہد نہیں کریں گی، اور جب یہ عورتوں کے ہاتھ میں آجائیں گی تو تبدیلی یقینی ہے۔ عورتوں کی امداد کی ضرورت بڑھ رہی ہے کیونکہ قوم کی قوت میں انحطاط اور مردوں کی تندرستی اور مضبوطی کا فقدان اور اعصابی امراض کی کثرت اور اوسط عمر کا انحطاط یہ خرابیاں زیادہ تر قبل از وقت ماں بن جانے اور بچوں کو مناسب خوراک نہ ملنے اور مضر صحت ماحول میں زندگی بسر کرنے اور مضر صحت رسوم جن کو مذہبی حیثیت دے دی گئی ہے۔ کی پابندی کا نتیجہ ہیں

جب عورتیں کارخانوں میں کام کریں گی، اور شہر کی گنجان آبادیوں میں چھوٹے چھوٹے تنگ مکانوں میں زندگی بسر کریں گی تو ایسا ماحول ان کے لئے پیدا ہو جائے گا۔ جو دیہات کی سادہ زندگی میں نہیں ہوتا تھا نتیجہ یہ ہوگا۔ ان کے بچے مکھیوں کی طرح مریں گے۔ اور ان کی پیدائش سے بیشتر موت اُن پر مسلّط ہو گی

آئیے ذرا اعداد پر نظر ڈالئے ۱۹۱۸ء میں برٹش انڈیا میں ۸۴۳۵۰۰۰ بچے پیدا ہوئے پیدائش کا اوسط ۳۵ فی ہزار تھا۔ اور اسی سال بچوں کی اموات کی تعداد ۲۲۵۲۰۳۴ تھی اور اموات کا اوسط ۲۰۷ فی ہزار تھا۔ ممالک متوسط اور برار میں پیدائش کا اوسط سب سے زیادہ تھا یعنی ۳۴ فی ہزار لیکن اموات کا اوسط بھی نہایت ہی خوفناک طریقہ پر زیادہ یعنی ۲۹۹ فی ہزار ان حالات میں کتنا تعجب ہوتا ہے۔ جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ بہت سے بچے ایسے مرے ہوں گے جن کا کوئی ریکارڈ نہیں اور جتنے زندہ رہتے ہیں۔ وہ کتنے مضمحل کمزور اور ناکارہ ہیں اس کا ایک سبب کم عمری میں ماں بن جانا ہے صرف کلکتہ میں چھوٹی عمر کی بیویوں کی تعداد ۱۸۲۵۶۱ ہے۔ اور جن میں سے ۱۲۷۴۹ کی عمریں دس اور بارہ سال کے درمیان ہیں ۲۶۹۶ بیوائیں ایسی ہیں جن کی عمریں پندرہ سال سے کم ہیں۔ کافی غذا نہ ملنا ماں اور بچہ کو ایک دوسرا سبب ہے۔ مدراس کے ایک قریبی مدرسہ کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ ۸۷ فی صدی بچوں کو جو سکول میں پڑھ رہے تھے کافی غذا نہیں مل رہی تھی۔ یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ جو تمام قوم کی زندگی کے لئے ہلاکت آفریں ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جسمانی قوت مضمحل ہو جائے گی اور امراض کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

یہی وجہ ہے کہ وبائی امراض لاکھوں کی تعداد میں آبادی کو صاف کر رہے ہیں۔ اس لئے لاکھوں انسان ایسے ہیں۔ جن کو پوری غذا نہیں ملتی

فاقہ زدہ ماں باپ ایسے بچے پیدا کرتے ہیں۔ جن کو اپنے پیدا ہونے سے پہلے فاقہ کرنا پڑتا ہے لیکن ہندوستان کے افلاس کے مسئلہ پر ہم اس مضمون میں بحث نہیں کر رہے لیکن ہم کو غور کرنا ہے۔ کہ موجودہ خرابیوں کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے۔ انگلستان میں صحت عامہ کا احساس تھوڑے ہی عرصہ سے پیدا ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں صحت عامہ

کی وزارت قائم کی گئی جس کے فرائض یہ ہیں کہ وہ قوم کی صحت کے لئے حکومت کے مختلف شعبوں سے تعاون کرے ہندوستان میں بھی ہر صوبہ میں اس قسم کی وزارت کا قیام بیحد ضروری ہے۔ ہندوستان میں مشرقی اور مغربی تہذیب کے تصادم نے بہت سی دقتیں پیدا کردی ہیں۔ گورنمنٹ مدراس نے ایک بہت ہی اچھا کام یہ کیا ہے۔ کہ دیسی طریقہ علاج اور وید وائیوں کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی قایم کی ہے جس نے اپنی ایک رپورٹ شائع کردی ہے۔ ہندوستانی ضرورتیں اسی وقت پوری ہوسکتی ہیں۔ جب یہاں کے مقامی ذرائع سے فایدہ اٹھایا جائے۔ صحت عامہ کی وزارت جب قائم ہو تو وہ پورے طور پر ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہو۔

انگلستان کی بعض میونسپلٹیوں نے بچوں اور ماؤں کے تحفظ کے لئے نہایت عمدہ انتظامات کئے ہیں جہاں زچاؤں کے لئے جداگانہ ہسپتال بنائے گئے ہیں جن میں زچہ اور بچہ کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ جو مائیں اپنے گھر پر رہنا چاہتی ہیں ان کی نگہداشت کا انتظام ان کے گھروں پر ہی ہوتا ہے۔

ضرورت ہے کہ تمام ملک میں ایک وسیع پیمانہ پر ان خیالات کی اشاعت کی جائے۔ اور پیدائش سے قبل اور پیدائش کے بعد ماں اور بچے کے لئے جن احتیاطوں کی ضرورت ہے۔ وہ عوام الناس کے ذہن نشین کرائی جائیں۔ بچوں کو مناسب اور صحت بخش غذا دینے کے طریقے بتلائے جائیں۔ بچپن میں غذا کی خرابی سے جو نقصانات پیدا ہوجاتے ہیں وہ تمام عمر دور نہیں ہوتے۔

بچہ کی سب سے بڑی ضرورت اس کی جسمانی صحت کی احتیاط ہے۔ اچھی غذا، صاف ہوا، کافی نیند۔ ہمارے کالج کے بہت سے نوجوان جب تعلیم ختم کرکے نکلتے ہیں تو بجائے چاق، چوبند، طاقتور اور سرگرم عمل ہونے کے مضمحل، افسردہ اور سست دیکھے جائیں۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ اپنے بچپن میں اسی قسم کی بے احتیاطیوں کا شکار ہوچکے ہیں۔

ضرورت ہے کہ جسمانی محنت کرنے والے چھوٹے چھوٹے تاجروں، کلرکوں کے بچوں کے لئے ایسے ہوم قایم کئے جائیں۔ جہاں چھوٹے بچوں کی تربیت کا انتظام کیا جائے۔ جن کی مائیں فیکٹریوں میں کام کررہی ہیں تمام مدارس کا طبی معائنہ لازمی قرار دیا جائے۔ اور ہر بچے کی صحت اور اس کے نشوونما کا ریکارڈ رکھا جائے۔ ڈائری فارموں کا بھی طبی معائنہ ہوتا رہے۔ جو عورتیں جسمانی مشقت کا کام کرتی ہیں۔ ان کے لئے خاص طور پر قانون نافذ کئے جائیں۔ جن میں ان کے ساتھ ماں بننے کی زمانہ میں خاص مراعات کی جائیں۔ اور ان کے بچہ کی پیدائش سے چھ ہفتہ قبل اور دو مہینہ بعد تک وہی اجرت بلا محنت کے دی جائے۔ ان سے ہلکے کام لئے جائیں۔ اور خوشگوار ماحول میں رکھا جائے۔ ان کے ساتھ کسی قسم کی سختی یا نامہربانی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ ایک ماں کا حق ہے۔ اور یہ باتیں اس بچہ پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ جو ابھی عالم وجود میں نہیں آیا۔ ممالک

متحدہ امریکہ میں شعبہ جماعت مزدوراں کے زیر تحت ایک محکمہ ہے جس کا نام "چلڈرنس بورڈ ہے" جس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر طبقہ کے بچوں کی صحت کے متعلق وقتاً فوقتاً رپورٹ پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر اس کو بچوں کی اموات، بچوں کی پیدائش یتیم خانوں کی حالت، مادہ عدالتیں جو بچوں کے چراغ کا قبلہ کوئی نہیں۔ اور بچوں کے امراض اور حادثات وغیرہ کارخانوں میں کام کرنے والے بچوں کے متعلق وضع قانون۔ ان تمام معاملات کی تحقیقات کرنی پڑتی ہے۔ یہ محکمہ بچوں کی حفاظت کے عنوان سے چھوٹے چھوٹے رسالوں کا ایک سلسلہ شائع کرتا ہے۔ اس سلسلہ کے پہلے حصہ میں ملک کی متوسط طبقہ کی ماؤں کو مخاطب کر کے وہ تمام ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا جاننا ماں کے لئے زمانہ حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک ضروری ہے۔ ایک خط میں جو اس رسالہ کے شروع میں شائع کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ بیالیس فی صدی بچے جو ایک سال سے کم عمر میں مرتے ہیں وہ۔ وہ ہوتے ہیں جو پیدائش سے ایک ہفتہ کے اندر ہی مر جاتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر دس میں سے سات ایسے ہوتے ہیں جن کی موت کی وجہ پیدائش کے وقت کی بے احتیاطی ہوتی ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا رسالہ ۲ سے ۶ سال تک کی عمر کے بچوں کی حفاظت اور نگہداشت کے اصول بتاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی اگر اس قسم کے رسالے شائع کئے جائیں تو بہت مفید ثابت ہوں گے۔

امریکہ میں ایک اور انجمن ہے جس کا نام "جمعیت تعلیم الاطفال" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کی مناسب تعلیم میں والدین کی امداد اور رہنمائی کرے۔ جمعیت نے ایک اسکول قایم کیا ہے۔ جس میں بدشوق بچوں کو کھیل کھلا کر تعلیم دی جاتی اور ان کے بے کار وقت کو کارآمد بنایا جاتا ہے۔ اس سے بہت عمدہ نتایج پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ خیال بھی ہندوستان میں قابل عمل ہے۔

بمبئی میں تحفظ اطفال سوسائٹی سنہ ۱۹۱۹ء میں قایم ہوئی تھی اور سنہ ۱۹۲۳ء میں اس کے آٹھ مرکز بن گئے۔ ایک ہفتہ میں ۶۸۹ بچوں کو دودھ یا اور مناسب غذا سوسائٹی سے تقسیم کی جاتی ہے۔ ۱۲۵۶۲ بچے اس سوسائٹی میں طبی مشورہ کے لئے لائے گئے۔ اور ۲۷۸۹ معائنہ اس سوسائٹی کے ہیلتھ وزیٹران نے ماؤں کے گھروں پر جا کر کئے۔ "لیڈی جیسفر ڈلیگ" نے "میٹرنٹی اینڈ چائلڈ ویلفیر" ایک کتاب شائع کی ہے۔ جس میں بچوں اور ماؤں کی نگہداشت کے متعلق نہایت مفید تدابیر بتائی گئی ہیں مدارس میں لیڈی ولنگڈن کی تحریک نے بچوں کے لئے بہت کچھ کام کیا ہے۔ بی ویک کی تحریک جس میں اکثر خواتین نہایت ایثار کے ساتھ کام کر رہی ہیں بہت بیش بہا نتایج پیدا کر رہی ہے۔ یہ تمام باتیں اس بات کی علامت ہیں۔ کہ عورتوں میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ اور قومی ضرورتوں کا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اور جب خود عورتیں اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گی تو ملک میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ اور لاکھوں بچوں کی جانیں ہلاکت سے بچ جائیں گی۔ (ماخوذ از ظل السلطان)

دین و دانش

(از مولوی محمد عصمت اللہ صاحب)

دوش پرسیدم ز فطرت بر ملا با من بگو
عقل را با دیں چہ نسبت دین را با او چہ کار

نعرہ زد فطرتم کاے مرد دامنگیر من
مے دہم پاسخ ترا از گوشہا پنبہ برار

ہر چہ نسبت جان را با تن بدہر اندر بود
دین را باشد ہماں نسبت بہ دانش ہوشدار

جاں اگر بے جسم و تن باشد نمے ارزد بجو
تن اگر بے جاں بود در مردگاں دارد شمار

بر ہمیں طور است رنگ مذہب و فرہنگ ہم
ہم بریں نہج است کار دین و دانش یاددار

دین حق درکار دارد دانش و فرہنگ را
عقل مے باشد بہ دنیا دین را آئینہ دار

مذہبے کورانہ باشد کار با فرہنگ و عقل
لائق تسلیم آں مذہب نباشد ہوشدار

عقل کو از دیں ندارد رہبرے در راہ خود
آں ہمہ دیوانگی باشد نہ عقل اے ہوشیار

علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کا انتقال پر ملال

نہایت رنج و افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ علیا حضرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ جی سی۔ ایس۔ آئی۔ جی سی آئی۔ ای۔ جی۔ بی۔ ای۔ جو کہ کچھ عرصہ سے اپنے ہونہار اور قابل بیٹے کے حق میں بھوپال کی حکومت سے دست بردار ہو گئی تھیں ۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ کا وجود سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک ابر رحمت تھا۔ ہندوستان میں کوئی ایسی مفید قومی قائم نہیں ہوئی جس کی کشت امید پر مرحومہ کے ابر فیض کی بارش نہ ہوئی ہو۔ غرض علیا حضرت کا وجود مبارک ملک و قوم کے لئے ایک سچے ہمدرد۔ دلی بہی خواہ۔ اور حقیقی مربی کا وجود تھا جس کے لئے جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے۔

ہمیں اس حادثہ جانکاہ پر اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر بھوپال سے دلی ہمدردی ہے۔ اور بارہ گاہ ایزدی میں بکمال عجز و الحاح دست بدعا ہیں۔ کہ وہ جنت الفردوس کو مرحومہ کی قرارگاہ بناوے۔ اور پسماندگان علیا حضرت بالخصوص نوابصاحب بہادر کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مُرد

نہائت رنج و افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ کہ ۲۹ اپریل ۱۹۳۰ء کو جناب ملک احمد خاں صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع شیخوپورہ یکایک حرکت قلب بند ہو جانیکی وجہ سے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم نہائت نیک طینت اور فرشتہ خصلت نوجوان تھے۔ ساری عمر رنج و مرنجاں کے زریں اصول پر عمل پیرا رہے سب انکے برتاؤ سے خوش رہے۔ اور کوئی رنج نہ ہوا مرحوم بصیرت کے بھی بہت بڑے ہمدرد تھے۔ بصیرت کو آپ کی توجہ سے بڑی بڑی توقعات تھیں۔ مگر آہ توقع براندگن موت نے کچھ نہ ہونے دیا۔

ہمیں اس حادثہ دلگداز میں جناب ملک غلام حیدر خاں صاحب پنشنر تحصیلدار راولپنڈی سے جو کہ مرحوم کے والد بزرگوار ہیں۔ دلی ہمدردی ہے۔ اور ہم عجز و الحاح کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں دست بدعا ہیں۔ کہ وہ مجیب الدعوات مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جملہ پسماندگان بالخصوص جناب ملک غلام حیدر خاں صاحب کو صبر جمیل کی توفیق کرامت فرمائے۔ آمین۔

آوازِ دل

(خاص برائے بصیرت)

(از شیخ ظہیر الاسلام فاروقی بی۔ اے۔ (علیگ) شاہ آباد)

مرا مقصد ہے دنیا میں حصارِ کفر سر کرنا
حریفانِ سیہ رو کی صفیں زیر و زبر کرنا

مری وہ آہ ہے جس آہ سے تھرائیں شمشیریں
تجھے باطل پرستی اب مناسب ہی حذر کرنا

وہی تکبیر باطل سوز پنہاں ہے مرے دل میں
جسے آتا ہے کفرستان میں تعمیر گھر کرنا

وہ جوہر جو ہیں پوشیدہ مری شمشیر پنہاں میں
انہیں اب کارزارِ عشق میں ہے جلوہ گر کرنا

"بصیرت" تیرا مقصد ہے اگر تلقینِ حق کرنا
کسی شاطر کی چالوں سے نہ کچھ خوف و خطر کرنا

نقد و نظر

رسالہ معاون۔ چودھری غلام مصطفےٰ صاحب بیرسٹرایٹ لا گوجرانوالہ کی زیر نگرانی رسالہ معاون اپریل گذشتہ سے جاری ہوا ہے۔ رسالہ کا نصب العین علمی، ادبی، زرعی، امداد باہمی اصلاحی، طبی اور اقتصادی مضامین شائع کرنا قرار دیا گیا ہے۔ زیر ریویو نمبر میں کیمبرج یونیورسٹی پر جناب منوہر لال صاحب وگ بیرسٹرایٹ لا کا مضمون نہایت دلچسپ ہے تعلیم اور اس کے مقاصد کے عنوان سے چودھری فتح الدین صاحب نے مسئلہ تعلیم پر ایک نئی بحث اٹھائی ہے۔ امداد باہمی کی برکات پر چودھری عبدالحمید صاحب نے ایک مفید مضمون لکھا ہے۔ ملازموں کا بنیا خط مکاتب اسلامیہ کی ناگفتہ بہ حالت سستی شادی وغیرہ وغیرہ اصلاحی مضامین بھی خوب ہیں۔ قیمت سالانہ عہ اور فی پرچہ ۲ر ہے۔ ملنے کا پتہ دفتر رسالہ معاون گوجرانوالہ ہے۔

سام وید کا اردو ترجمہ

تمہید

(گزشتہ سے پیوستہ)

سام وید کے دو طرح کے نسخے

موجودہ زمانے میں سام وید کے نسخے دو طرح کے پائے جاتے ہیں ایک گان سنگھتا (گانے کے قابل نسخہ) اور دوسرا چھند سنگھتا۔ ان میں سے پہلے نسخے کو انکھیہ (ادنےٰ) اور دوسرے کو مُکھیہ (اعلےٰ) کہا جاتا ہے۔ جس میں عبارت صاف اور سیدھی ہے۔ اس مجموعہ کو مکھیہ اور جس میں منتروں کو گانے کے قابل بناکر بگاڑ دیا گیا ہے۔ اُسکو انکھیہ (ادنےٰ) کہتے ہیں۔

عام طور پر گان سنگھتا کے نسخے قلمی پائے جاتے ہیں۔ البتہ کلکتہ راجکی سبھا نے سائن بھاشیہ کے ساتھ اس کو شائع کر دیا ہے۔ اس میں منتر اپنی بگڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ یعنی منتروں کے الفاظ میں کمی بیشی کر کے بعض جگہ حروف کو حذف کر دیا گیا ہے اور اکثر جگہ بعض حروف کی ایزادی کر دی گئی ہے۔ سنسکرت کی اصطلاح میں یہ تحریف وِکار، وِشلیش اور وِکرشن وغیرہ آٹھ طرح کی بتائی گئی ہے۔ سنسکرت علوم سے ناواقف حضرات شاید ان اصطلاحات کو اچھی طرح نہ سمجھ سکیں، اس لئے اس کی ایک دو مثالیں اردو کے اشعار سے پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً پنڈت لیکھ رام جی آریہ مسافر لکھتے ہیں۔ اور عام طور پر پنجاب کی آریہ سماجیں بڑے بڑے موٹے حروف میں اس کو شائع کیا کرتی ہیں۔ ؎

نَقارہ دھرم کا بجتا ہے آئے جس کا جی چاہے
صداقت وید اقدس آزمائے جس کا جی چاہے

ظاہر ہے کہ اس شعر میں وزن کی درستگی کی خاطر تشدید کو تخفیف سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ یعنی نقّارہ کو نقارہ بنا لیا گیا ہے۔ جو کہ شاعریت کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں اور تحریف کے مترادف بھی ہے۔

تحریف کی دوسری قسم کا نمونہ یہ شعر ہے۔

بڑا انصاف والا ہے وہ اور مُن — صفی اس کی ہے دنیا بھر میں مشہور

اس شعر کو گانے کے قابل بنانے کے لئے منصفی کو دو ٹکڑے کر کے الگ الگ مصرعوں میں رکھنا پڑے گا۔

تیسری مثال اور سنئے ایک شرما ماسٹر صاحب کا مطلع ہے۔

مکرم قدرداں مارھری احسن

ہیں وارے شاعری پر جو کہ تن من

مارہروی احسن کو مارہری احسن کہنا پڑا۔ ان اشعار کی حیثیت شعری کو تو حضرات شعرا اور ادبا ہی بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ ہمیں اس سے کچھ مطلب نہیں، البتہ یہ تین شعر سام وید کا گانا سمجھنے کے لئے کافی ہیں، کہ کس طرح سے اصل الفاظ اور عبارت میں تغیر و تبدل کر کے اس کو گانے کے قابل بنایا جاتا ہے

عام طور پر ویدوں کو بلینک ورس (بے قافیہ نظم) سمجھا جاتا ہے۔ مگر سنسکرت لٹریچر میں سب سے پہلی نظم کی کتاب (آدی کاویہ) بالمیک کی رامائن کہلاتی ہے۔ اور کوئی پدیہ ودھ (نظم) اس سے پیشتر کی نہیں سمجھی جاتی اس بنا پر ویدوں کی عبارت کو شاید نثر مرجز کہنا زیادہ موزوں ہو یعنی منتروں میں وزن ہے۔ مگر قافیہ ندارد

ویدوں اور ویدک لٹریچر میں سام وید کا درجہ اس موضوع کے ماتحت جو حوالجات اپنشدوں اور شاستروں سے انتخاب کر کے درج کئے گئے ہیں۔ ان پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حوالہ جات میں اکثر استعارہ کا رنگ اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں قابل غور یہ امر ہے کہ ہر ایک وید اور اس سے متعلق خاص برہمن گرنتھ اور اپنشد صرف ایک خاص وید کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور دوسرے ویدوں کی نسبت تحقیر آمیز رائے رکھتے ہیں۔ مثلاً اتھرووید کے حوالہ میں سام وید کو بالوں۔ سے اور اتھرووید کو منہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک اور حوالہ میں رگوید کو ریڑھ کی ہڈی۔ سام کو بال اور یجروید کو دل قرار دیا گیا ہے۔ یجروید میں لکھا ہے۔ کہ سام جسم ہے یجر نام ہے۔ یوں بھی آیا ہے۔ کہ رگوید کلام یجروید دل اور سام سانس ہے۔ پھر یہ بھی کہا ہے۔ کہ

رگوید کے منتر کھٹیا کی تانے کی رسیاں تھیں۔ یجروید کے منتر بانے کی رسیاں۔ اتھرووید تکیہ اور سام وید نشستگاہ ہے۔

اسی طرح سے وہ برہمن گرنتھ اور اپنشد کہ جو رگوید سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ رگوید کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ اور جو اتھرووید سے تعلق رکھتے ہیں وہ اتھرووید کی فوقیت کے قایل ہیں۔ یجروید اور اس کے برہمن وغیرہ اپنے وید کو سراہتے ہیں۔ اور سام وید کے سام وید کو۔ مثلاً یجروید کا برہمن کہتا ہے۔ کہ یجروید برہما کا سر ہے۔ رگوید دایاں پہلو۔ سام وید بایاں اور اتھرووید دُم ہے ہرنی کے جسم پر سفید بال رگ وید کے منتر ہیں سیاہ بال سام وید ہیں اور زرد یجروید کے منتر ہیں (شتپتھ برہمن)

شتپتھ برہمن کہ جس کا تعلق یجر وید سے ہے اس میں ہے۔ کہ رگوید روشنی ہے۔ یجر وید طاقت ہے۔ اور سام وید شہرت ہے ۱۱ اس میں اتھر وید کا ذکر ہی نہیں۔

ایک اور برہمن کہتا ہے۔ رگوید زمین ہے۔ سام وید جو ہے یجر وید آسمان ہے۔ سام وید کے برہمن میں ہے۔ کہ سام وید رگوید کا خاوند ہے۔ یہ بھی ہے۔ کہ سام وید دوسرے ویدوں کا ست یعنی خلاصہ اور جوہر ہے [1]

منوسمرتی میں لکھا ہے۔ کہ رگوید کے دیوتا دیو ہیں۔ یجر وید کے دیوتا انسان ہیں۔ اور سام وید کے دیوتا مردہ بزرگوں کی ارواح ہیں۔ اس لئے رگوید اور یجر وید کے سامنے سام وید کی آواز ناپاک سمجھی جاتی ہے۔ دیکھو منوسمرتی ادھیائے ۴ شلوک ۱۲۴

اس سے پہلے شلوک ۱۲۳ میں منو کہتا ہے۔ کہ سام وید کی آواز آتے ہوئے رگوید اور یجر وید کو ہرگز نہ پڑھے۔ ایک وید کو ختم کر کے یا اس کے حصہ اپنشد کو پڑھ کر بھی دوسرا وید نہ پڑھے۔ اس پر منوسمرتی کا شارح میدھا تتھی لکھتا ہے۔ کہ جیسے ناپاک شے اور شخص کے روبرو وید نہیں پڑھا جاتا۔ ویسے سام کی تلاوت کرتے وقت دوسرا وید نہ پڑھے

مہابھارت کے آدی پرو شلوک ۲۶۴ میں لکھا ہے۔ مہابھارت چاروں وید اپنشدوں سے بھاری نکلی۔ اس لئے اس کا نام مہابھارت ہوا

شلوک نمبر ۲۲۹۸۔ یہ وید کے برابر عظمت والی ہے۔ کتابیں جو پڑھی جاتی ہیں۔ ان سب سے اعلیٰ اور افضل قدیم رشیوں سے تعریف کی ہوئی مہابھارت ہے

شلوک ۲۳۱۴ مہابھارت کا جاننے اور پڑھنے والا ایسا ہی ہے۔ گویا کہ وہ ویدوں کو عبور کر گیا۔

بالمیکی رامائن ۱/۴۸ یہ پاک اور مقدس کہانی (رامائن) ویدوں کے برابر ہے

منڈک اپنشد ۱/۱/۴ علم دو طرح کا ہی علم الٰہی کے جاننے والے کہتے ہیں۔ ایک اعلیٰ ہے اور دوسرا ادنیٰ۔ رگوید یجر وید سام وید اور اتھر وید یہ ادنیٰ ہیں۔ مگر اعلیٰ وہ ہے جس سے علم الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

بھاگوت ۲۹/۴۸ ۴ ویدوں سے رشیوں کو خدا نہیں ملا

کٹھ اپنشد ۲/۲۳ وہ خدا نہ بتانے سے ملتا ہے۔ نہ عقل سے اور نہ بہت منتروں سے وہ اسی کو ملتا ہے کہ جس کو وہ خود چن لیتا ہے۔ خدا اس آدمی کا جسم اپنے رہنے کے لئے چن لیتا ہے۔

---

[1] ان تمام کتب کے حوالہ جات گذشتہ مضمون میں درج ہو چکے ہیں۔

برہدارنیاکا اپنشد ادھیاء ۵ براہمن ۱۴ اکنڈ کا ۲ میں ہے۔ اس اپنشد کا جاننے والا جتنی ویدوں کی تعلیم ہے سب کو حاصل کر لیتا ہے۔

آدابِ تلاوتِ وید

چرن دیوہ نامی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ سام وید کے ہزار قسم کے مختلف نسخے تھے۔ لوگوں نے ان کو بے محل اور غیر موقعہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اندر دیوتا کو اس پر غصہ آیا۔ اور اس نے اپنے ہتھیار سے ان نسخوں کو فنا کر دیا۔ اس لئے تلاوت وید کے موقعہ اور محل کو دیکھ بھال کر اسے پڑھنا چاہیئے۔ مستند کتابوں میں سے انتخاب کر کے ان آداب اور قواعد کو یہاں درج کیا جاتا ہے کیونکہ وید کے متعلق یہ ایک نہائت ضروری موضوع ہے۔ مگر افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ کے آریہ ایڈیٹران اخبارات اور بابو لوگ اس کا لحاظ نہیں رکھتے۔

منوسمرتی۔ گرہیہ سوتر اور دوسری سمرتیوں میں[۵] لکھا ہے کہ

۱۔ ساون یا بھادوں کے مہینے میں قمری مہینے کی چودھویں تاریخ کو حسب قواعد وید کو پڑھنا شروع کرے، چوکس ہو کر ساڑھے چار مہینے پڑھتا رہے۔

۲۔ پوش کے مہینے پکھیہ نکشتر یعنی جب ماگھ کے مہینے میں قمری ماہ کا پہلا دن ہو تو برہمن صبح سویرے وید پڑھنا ترک کرے شاستر کے حکم کے موافق گاؤں کے باہر جا کر وید چھوڑنے کی رسم ادا کرے اس دن رات کو اور اگلے دن پڑھنا بند رکھے۔ اس کے بعد چاند بڑھنے کے دنوں میں وید کو پڑھے اور زوال کے دنوں میں وید نہ پڑھے۔ بلکہ نروکت وغیرہ اور کتابوں کو پڑھے۔

۳۔ حروف اور اعراب کو اچھی طرح ادا کر کے پڑھے۔ شودر کے روبرو نہ پڑھے رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر پڑھتا ہوا تھک جائے تو نہ سوئے۔

۴۔ برہمن کو چاہیئے۔ کہ چوکس ہو کر حسب قواعد گائتری وغیرہ اوزان کے ساتھ وید کو روز پڑھے۔

۵۔ وید پڑھنے والا شاگرد اور مقررہ طریق پر پڑھانے والا استاد مندرجہ ذیل ممانعت کے اوقات کا خیال رکھے۔ نہ شاگرد پڑھے اور نہ استاد پڑھائے۔

۶۔ برسات میں رات کے وقت اگر ہوا چلے اور اس کی آواز سنائی دے یا دن کو ہوا گرد و غبار اڑاوے تو اس وقت وید کو نہ پڑھے۔

۷۔ بجلی چمکتی ہو۔ گرج گرج کر مینہ برستا ہو۔ بجلی گرتی ہو تو اس وقت سے لے کر دوسرے دن اسی وقت تک وید نہ پڑھے

---

۵ حوالجات کے لئے دیکھو شانکھائن گرہیہ سوتر $\frac{4}{5}$ و آشوائن $\frac{13}{4}$ $\frac{18}{12}$ آپستمبھ ۳۸ و ۱۱ $\frac{1}{9-4}$ $\frac{32}{12-15}$ منو $\frac{4}{96-124}$ وغیرہ وغیرہ

۸۔ اگر موسم برسات ہو تو بادل گھرے ہوئے دیکھ کر بھی وید نہ پڑھے۔
۹۔ فضا میں جب کڑک کی آواز ہو۔ زلزلہ یا کوئی ستارہ منحوس گرہ میں ہو تو وید کی تلاوت نہ کرے۔
۱۰۔ ہون کی آگ روشن ہوتے وقت صبح کی سندھیا (عبادت) کے وقت جب بجلی اور کڑک ہو تو سورج غروب ہونے تک نہ پڑھے۔ اور اگر رات کو ہو تو دن کی روشنی تک نہ پڑھے۔
۱۱۔ جو مذہب میں زیادہ ہوشیار رہنا چاہتے ہیں، وہ گاؤں یا شہر میں بدبو آنے پر بھی نہ پڑھیں۔
۱۲۔ جب گاؤں کے اندر مردہ لاش پڑی ہو۔ تب اور لامذہب کے قریب، روتے ہوئے کے پاس اور لوگوں کے ہجوم میں وید کو نہ پڑھے۔
۱۳۔ پانی میں۔ نصف رات کے وقت۔ رفع حاجات کرتے ہوئے جوٹھے منہ اور شرادھ (نذر نیاز اور فاتحہ) کا کھانا کھا کر دل میں بھی وید کا خیال نہ کرے۔
۱۴۔ عالم برہمن شرادھ (فاتحہ) کی دعوت قبول کر کے راجا کے گھر بیٹا پیدا ہو تو سورج اور چاند گرہن کے واقع ہونے پر تین دن تک وید نہ پڑھے۔
۱۵۔ لیٹا ہوا۔ پاؤں پھیلا کر۔ دونوں گھٹنوں کو موڑ کر بیٹھا ہو۔ گوشت اور نذر کا کھانا کھا کر نہ پڑھے۔
۱۶۔ کہرے میں تیروں کی آواز کے وقت۔ دونوں سندھیاؤں (طلوع و غروب) کے اوقات میں۔ اماوس (قمری مہینہ کی آخری تاریخ) کو قمری چودھویں تاریخ کو مہینہ کے آخری دن اور آٹھویں تاریخ کو بھی وید نہ پڑھے۔ کیونکہ اماوس گورو کو۔ چودہ شاگرد کو۔ آٹھویں اور پورنماشی وید کو فنا کرتی ہے۔ اس لئے ان تاریخوں کو وید پڑھنا ترک کر دے
۱۷۔ گرد و غبار میں۔ افق پر سرخی نمودار ہونے پر۔ گیدڑ کتے۔ گدھے۔ اور اونٹ کے بولتے وقت نیز قطار میں بیٹھا ہوا وید نہ پڑھے۔
۱۸۔ مرگھٹ کے پاس۔ گاؤں کے نزدیک اور گوشالا میں بھی نہ پڑھے۔ جنابت کے کپڑے پہنے ہوئے اور شرادھ کی کوئی چیز قبول کر کے بھی وید پڑھنے کی ممانعت ہے۔
۱۹۔ شرادھ (فاتحہ خوانی) میں ملی ہوئی گائے ہو۔ خواہ کپڑا اس کو لے کر بھی وید نہ پڑھے۔
۲۰۔ گاؤں میں چوروں کی ہل چل کے وقت آگ لگ جانے پر زمین اور آسمان پر کوئی اچنبھا کام ہو جانے پر
۲۱۔ بحث، جھگڑے۔ فوج اور جنگ میں کھانے کے بعد تھکے ہوئے۔ قے کر کے کھٹی ڈکار آنے پر وید نہیں پڑھنا چاہیئے۔

۲۲۔ مہمان سے اجازت لئے بغیر۔ ہوا کے زیادہ تیز چلنے پر جسم سے خون نکلنے پر ہتھیار سے زخم لگنے پر وید کو نہ پڑھے

۲۳۔ سام وید کی گونج سننے پر رگ وید اور یجر وید کو کبھی نہ پڑھے۔ ایک وید کو آخر تک پڑھ کر اور اپنشد کا ایک حصہ پڑھ کر اس دن اور رات میں وید نہ پڑھے۔

۲۴۔ ان اصولوں اور قواعد کو جان کر علماء لوگ پہلے ترتیب سے تینوں ویدوں کی اصل اوم اور گائتری منتر کو پڑھ کر بعد میں وید کو پڑھتے ہیں۔

۲۵۔ وید پڑھتے ہوئے اگر جانور۔ مینڈک۔ بلی۔ کتا۔ سانپ۔ نیولا۔ چوہا۔ ان میں سے کوئی استاد اور شاگرد کے درمیان سے گذر جائے تو ایک رات اور ایک دن تک وید نہیں پڑھنا چاہیئے۔

۲۶۔ وید کے ختم کرنے اور نئے سرے سے شروع کرنے میں تین دن کا ناغہ کرے۔ موسم کے خاتمہ پر بھی وید نہ پڑھے۔

۲۷۔ برہمن کو چاہیئے کہ ناپاک زمین اور اپنے ناپاک جسم سے وید ہرگز نہ پڑھے۔

۲۸۔ وید پڑھنے کے شروع اور آخر میں ہمیشہ استاد کے پاؤں چھوئے۔ مگر ہاتھوں کو الٹ پھیر کر گورو کے پاؤں چھونے چاہئیں۔ یعنی بائیں ہاتھ سے بایاں اور دائیں ہاتھ سے دایاں پاؤں چھوئے۔

۲۹۔ گورو سستی دور کر کے ہر روز پڑھنے والے سے بھو (اے شاگرد) پڑھ یہ کہے۔ اور ورام ہو۔ ایسے کہہ کر پڑھنا بند کرا دے۔

۳۰۔ گھوڑے پر سوار وید نہ پڑھے نہ درخت پر چڑھا ہوا۔ نہ ہاتھی پر بیٹھا ہوا۔ نہ کشتی پر نہ گدھے پر۔ نہ اونٹ پر۔ نہ شور زمین میں رہتا ہوا نہ گاڑی میں سفر کرتا ہوا وید کو پڑھے۔

۳۱۔ وید پڑھنے سے پہلے اور آخر پر ہمیشہ بلند آواز سے اوم کہے۔ کیونکہ شروع میں اوم نہ کہنے سے آہستہ آہستہ اور آخر پر نہ کہنے سے فوراً ہی سبق بھول جاتا ہے۔

۳۲۔ وید پڑھنے کے لئے گھاس کے آسن پر کہ جس کے تنکے مشرق کے رخ ہوں بیٹھے۔ پاک سے پاک اور تین دفعہ حبس دم کر کے پاک ہونے پر برہمن چھتری اور ویش اوم کہنے کے قابل ہوتا ہے۔

۳۳۔ جو کسی وید پڑھنے والے سے اس کی اجازت کے بغیر وید پڑھنا سیکھے وہ وید کا چور رہے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

۳۴۔ شاگرد وید پڑھانے والے گورو کی چارپائی اور نشست پر نہ بیٹھے۔ اگر خود چارپائی یا مسند پر بیٹھا ہو تو اٹھ کر گورو کو تعظیم دے۔

۳۵۔ ویدانت درشن کے ادھیائے اول پاد ۳ سوتر ۳۸ پر شنکر بھاش میں لکھا ہے۔ کہ شودر کو وید پڑھنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ شاستر کہتا ہے کہ اس کے لئے سننے پڑھنے اور یاد کرنے کی ممانعت ہے۔ وید سننے والے شودر کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دینا چاہیئے اسی لئے تو دھرم شاستر کہتا ہے کہ اس کے قریب بھی برہمن وید نہ پڑھے۔ اس کو سننے کا کیسے اختیار ہو سکتا ہے۔ شودر وید پڑھے تو اس کی زبان کاٹ دینی چاہیئے۔ یاد کرے تو اس کے جسم کے دو ٹکڑے کر دینے چاہئیں۔ منوسمرتی کہتی ہے کہ شودر کو نیک صلاح بھی نہ دے۔ وغیرہ وغیرہ گوتم سمرتی ۱۲ میں بھی یہی لکھا ہے کہ شودر کے وید سننے پر سیسہ پگھلا کر کان میں ڈال دینا چاہئے۔ پڑھنے پر زبان کاٹ دینی چاہیئے یاد ہو جانے پر اس کا دل چیر دینا چاہیئے۔

۳۶۔ وہ جو حسب معمول تلاوت کرنا چاہتا ہے جنگل میں جا کر پانی کے کنارے تمام حواس کو قابو میں رکھ کر دل کی یکسوئی سے وید نہ پڑھ سکے، تو کم از کم گائتری کو ہی پڑھ لے۔

۳۷۔ وید پڑھنے میں مدد دینے والی کتابوں کے مطالعہ اور ہوم کے منتروں میں ناغہ نہ کرے

۳۸۔ جو شخص لگاتار پاک ہو کر قواعد کے مطابق ایک سال تک وید پڑھتا ہے۔ تو وید اس کے گھر میں ہمیشہ دودھ۔ دہی گھی اور شہد دیتا ہے۔

۳۹۔ پوچھے بغیر کسی کو اس کی تلاوت کی غلطی نہ بتائے۔ اور نا اہل کو پوچھنے پر بھی نہ بتلائے۔ عقلمند جانتا ہوا بھی دنیا میں گونگے کی طرح رہے۔

۴۰۔ جو شخص بے دینی سے کہتا اور الحاد سے پوچھتا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک مر جاتا ہے۔ یا آپس میں دشمنی ہو جاتی ہے۔

۴۱۔ استاد کا بیٹا اپنا خدمت گذار۔ علم پڑھانے والا۔ مذہبی آدمی، پاک رشتہ دار، معقول رقم دینے والا نیک اور اپنی ذات کا یہ دس اشخاص مذہب کی رو سے پڑھانے کے قابل ہیں۔

۴۲۔ جس شاگرد سے دین اور دنیا دونوں کا فایدہ نہ ہو اور حسب تعلیم شاستر خدمت گذار بھی نہ ہو اسے علم نہیں پڑھانا چاہیئے اس کو علم پڑھانا شور زمین میں اچھا بیج بونے کی طرح ہے یعنی بے سود ہے۔

۴۳۔ وید پڑھانے والے کا علم ساتھ لے کر یعنی بغیر کسی کو پڑھائے مر جانا بہتر ہے مگر سخت مصیبت میں بھی شور زمین میں بیج نہ بوئے۔

۴۴۔ ودیا (علم) نے کسی برہمن سے آ کر کہا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔ میری حفاظت کر مجھے تحقیر کرنے والے کو مت دے اس سے میں طاقت ور ہونگی۔

۴۵۔ جذبات پر قابو رکھنے والے مجرد اور جس کو پاک جانے اسی خزانہ کی حفاظت کرنے والے برہمن کو مجھے سنا یعنی مجھے دے۔

سام وید کی ترتیب مضامین

گذشتہ مضمون میں ضمناً یہ ذکر آچکا ہے کہ سام وید کے دو حصے ہیں۔ کہ جو ترتیب وار پُوروآرچک اور اُتر آرچک کہلاتے ہیں حصہ پہلا اور دوسرا حصہ۔ پہلے حصہ میں پانچ پرپاٹھک یا اسباق ہیں اور دوسرے میں ۹۔ پہلی بارہ دشتیوں (یا فصلوں) میں اگنی دیوتا کی حمد ہے۔ اس کے بعد ۳۶ گیت اندر دیوتا کی تعریف میں ہیں۔ اور آخری ترانے سوم دیوتا سے خاص ہیں پہلے حصہ میں دو دیہاتی گیت (گرامیہ گان) کے اور دو جنگلی گیت (ارنیہ گان) کے ہیں۔ دوسرے حصہ میں دو دو گیت اُوہا اور اُوہیہ گانے کہلاتے ہیں۔ ان منتروں کا بیشتر حصہ سوم یگیہ کی رسم پر گایا جاتا تھا۔

اس کے متعلق بعض ہندو علما سنسکرت کی آراء کا یہاں درج کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ پنڈت ابناش چندر دت جو کلکتہ یونیورسٹی میں سنسکرت تاریخ کے لیکچرر ہیں وہ رگویدک انڈیا میں لکھتے ہیں کہ سام وید جو اپنے مضامین رگوید کے آٹھویں اور نویں باب سے انتخاب کرتا ہے۔ اپنے موضوع کے لحاظ سے یجروید سے مشابہت رکھتا ہے یعنی اس کو رسومات اور یگیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ ویدک تمدن کے دس دور ہیں کہ جن میں سے تین کا ذکر رگوید میں بھی آتا ہے۔ کہ جن میں رگوید کے منتر تصنیف کئے گئے۔ اور باقی وہ دور ہیں کہ جن میں سام وید، یجروید اور اتھروید وغیرہ ترتیب دئے گئے۔

پنڈت شیو شنکر صاحب مشہور آریہ پنڈت پرتی ندھی سبھا پنجاب اپنی کتاب "ویدوں کا اتہاس ادھ نرنے" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

"سام وید میں ۱۵۴۹ منتر ہیں۔ ان میں سے ۷۵ منتروں کو چھوڑ کر باقی سب منتر رگ وید میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے سام وید رگ وید ہی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ پس سام وید کو رگ وید ہی سمجھنا چاہیئے۔ وہی منتر جب گائے جاتے ہیں تب سام نام سے پکارے جاتے ہیں۔"

(باقی آئندہ)

عبدالحق ودیارتھی